صوفی گری

[تصوف]

مولف

سید احمد کسروی تبریزی

سن اشاعت: 1322 ہجری شمسی (1943ء)

مرکزِ انتشاراتِ مُصلحین

خالق پاک کے نام سے

ہم نے اب تک کئی بار صوفی گری کے بارے میں گفتگو کی اور مضامین لکھے ہیں۔ اب اس کتابچے میں ہم اپنے تمام معلومات کو صوفیوں کے بارے میں ایک جگہ جمع کر رہے ہیں ۔

احمد کسروی

گفتار اول

صوفی گری کیسے وجود میں آئی ؟

صوفی گری، بہت سی دیگر چیزوں کی طرح، **یونانی فلسفے** سے نکلی ہے۔ اس کے بانی، جیسا کہ کہا جاتا ہے، ایک **یونانی فلسفی پلوتینوس** تھے۔ پلوتینوس نے فلسفیانہ زبان میں بہت سی باتیں کہیں، جن کا سادہ زبان میں خلاصہ یہ ہے: **دنیا میں جو کچھ بھی ہے، سب ایک ہی چیز ہے، یعنی خدا، اور دیگر چیزیں اس سے الگ ہوئی ہیں۔** انسان کی روح اس دنیا میں آئی اور مادے کی قید میں پھنس گئی۔ اس لیے اسے ہمیشہ اس دنیا اور اس کی خوشیوں سے بھاگنا چاہیے اور اپنے اصل سرچشمے یا وطن سے ملنے کی خواہش رکھنی چاہیے۔

وہ کہتے ہیں: **اس دنیا میں بھی اگر کوئی اپنے آپ سے بے خود ہو جائے تو وہ وجود کے سرچشمے یعنی خدا سے مل سکتا ہے۔** وہ کہتے ہیں: **"سر کی آنکھ بند کرنی چاہیے اور دل کی آنکھ کھولنی چاہیے۔ تب دیکھا جائے گا کہ جو ہم ڈھونڈ رہے ہیں وہ ہم سے دور نہیں بلکہ ہمارے اندر ہی ہے"۔**

یہ جملے پلوتینوس کے حوالے سے نقل کیے جاتے ہیں: **"ہم سب خدا سے ہیں، اس سے الگ ہوئے اور اس کے ساتھ دوبارہ مل جائیں گے۔ انسان کی روح ایک پاک اور آزاد دنیا سے اتری اور اس دنیا میں مادے کی قید میں گرفتار ہو کر آلودہ ہو گئی۔ لیکن جو شخص اپنی جسمانی خواہشات کو ترک کر دے اور اپنی روح کی پرورش کرے، اس کی آلودگی کم ہو جائے گی۔ جو اس قید سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، انہیں دنیا کی خوشیوں سے منہ موڑنا چاہیے اور پاکیزگی اختیار کرنی چاہیے"۔**

صوفی گری کے بانی کے یہ اقوال، جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے، محض واہمہ ہیں اور ان کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ پلوتینوس نے یہ باتیں محض اپنے خیالات کی بنیاد پر کہیں، بغیر کسی دلیل کے۔

ان کے آخری جملوں میں کہتے ہیں: **"انسان کی روح ایک آزاد اور پاک دنیا سے اتری اور اس دنیا میں مادے کی قید میں گرفتار ہو گئی۔"** یہ بات کچھ زیادہ غلط نہیں، اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مطلب روح اور جسم کی جدائی ہے، جیسا کہ ہم بھی کہتے ہیں

اور بارہا اس پر گفتگو کر چکے ہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ **"ہم سب خدا سے ہیں، اس سے الگ ہوئے اور اس کے ساتھ دوبارہ مل جائیں گے"** بہت بعید ہے۔

ان سے پوچھنا چاہیے: آپ یہ بات کہاں سے لاتے ہیں؟ اس کے لیے کیا دلیل ہے؟ اسی طرح ان کے دیگر اقوال بھی بے دلیل ہیں۔ وہ کہتے ہیں: **"ہر شخص کو اس دنیا اور اس کی خوشیوں سے بھاگنا چاہیے۔"** پوچھنا چاہیے: تو پھر یہ خوشیاں کس کے لیے ہیں؟

وہ کہتے ہیں: **"اگر کوئی اپنے آپ سے بے خود ہو جائے تو وہ خدا سے مل سکتا ہے۔"** پوچھنا چاہیے: اپنے آپ سے بے خود ہونا کیسے ممکن ہے؟ یہ واہمہ کے سوا کچھ نہیں۔ پھر اگر ہر شخص خدا سے ہے تو بے خودی کی کیا ضرورت ہے؟

وہ کہتے ہیں: **"تب دیکھا جائے گا کہ جو ہم ڈھونڈ رہے ہیں وہ ہم سے دور نہیں بلکہ ہمارے اندر ہے۔"** اگر اس جملے کو کھولیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خدا نہیں اور ہم خود خدا ہیں۔ یہ بات بہت سے صوفیوں نے کھلم کھلا کہی:

جو خدا کے طلبگار ہو تم خود خدا ہو

تم سے باہر کچھ نہیں، تم ہی تم ہو اور بس تم

جو کچھ تم نے کھو دیا وہ کیوں ڈھونڈتے ہو

اور جو کھویا ہی نہیں اس کی تلاش میں کیوں پھرتے ہو

لیکن یہ بات بھی بہت بعید ہے۔ یہ خدا کے بارے میں ناواقفیت کی بات ہے۔ ہم خدا تک کیسے پہنچے؟ ہم نے اس کے وجود کو کیسے تسلیم کیا؟ بات یہ ہے کہ جب ہم اس دنیا کو پرکھتے ہیں اور غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ خود سے وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس کی ترتیب اور آراستگی خود اس دنیا سے نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم انسان ہیں اور اس دنیا کے تمام جانداروں سے برتر ہیں، لیکن ہم سب اس دنیا میں غیر ارادی طور پر آئے اور غیر ارادی طور پر جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کے پیچھے کوئی اور نظام ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا سے باہر ایک ہاتھ ہے جس نے اسے بنایا اور چلا رہا ہے۔

ہر حال، جب ہم نے دیکھا کہ یہ دنیا اور انسان خود سے وجود میں نہیں آسکتے، تو ہم نے کہا کہ اس دنیا سے باہر ایک خدا ہے۔ تو اب ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہی خدا ہم انسان ہیں؟ یہ اسی طرح ہے جیسے ہم ایک بیابان میں درخت دیکھیں جو ایک قطار میں لگے ہیں اور ان کے نیچے ایک نہر بہتی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کام درختوں کا نہیں ہو سکتا، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی مالی نے انہیں لگایا اور نہر کھودی۔ ہم اس مالی کی تلاش میں نکلتے ہیں، اور اس دوران کوئی ہم میں سے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے: "یہی مالی ہے۔" کیا ہم اس کی بات پر ہنسیں گے نہیں؟ کیا ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اگر یہ درخت خود سے ہو سکتے تو ہمیں مالی کے وجود پر یقین کرنے اور اس کی تلاش کی کیا ضرورت تھی؟

میں دوبارہ کہتا ہوں: پلوتینوس کے اقوال، دیگر یونانی فلسفیوں کی طرح، محض واہمے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے باوجود یہ ابتداء سے ہی مشہور ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ روم میں ان کے کچھ پیروکار تھے ۔

پھر اسلام کے ابتدائی صدیوں میں، جب یونانی فلسفہ مشرق میں آیا، تو یہاں مسلمانوں میں اس کی مقبولیت بہت بڑھ گئی اور اس نے اسلامی ممالک میں ایک بڑی تحریک پیدا کی۔ یہ وہ وقت تھا جب عقلیں پست ہو رہی تھیں، اور بہت سے لوگوں نے روم کے اس فلسفی کے اقوال کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو اچھی لگتی تھی کہ انسان خدا کے ساتھ ایک ہے، اور اس سے سبک دماغوں میں ایک جوش پیدا ہوا۔

اس طرح کچھ ہی عرصے میں گروہ بن گئے، خانقاہیں قائم ہوئیں۔ پلوتینوس، جیسا کہ اس کے اقوال سے ظاہر ہے، صرف انسانوں کی بات کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انسان کی روح خدا سے الگ ہوئی۔ لیکن یہاں اسے ایک وسیع میدان دیا گیا اور وحدت وجود کے دائرے کو چوپایوں، درندوں اور ہر چیز تک پھیلا دیا گیا۔

دوسری طرف، پلوتینوس کی کہی ہوئی پارسائی یا دنیا کی خوشیوں سے منہ موڑنے کو یہاں بے کاری اور بیوی نہ لینے، گوشہ نشینی اور آرام طلبی سے بدل دیا گیا، اور اسی وجہ سے **صوفی گری تیزی سے پھیل گئی۔**

یہاں انہوں نے پیر و مریدی کا نظام بھی بنایا، جس میں ہر گروہ کا ایک پیر ہوتا اور باقی اس کے ماتحت یا مرید ہوتے۔ ہر پیر کو دوسرے پیر سے خرقہ لینا پڑتا تھا۔ اس طرح کئی سلسلے بن گئے جن کے نام مختلف تھے۔ وہ نیلے اور پشمینہ کپڑے پہنتے اور اس دعوے کے ساتھ کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہیں، اپنے سر منڈواتے تھے ۔

صوفیوں کے پیروں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا سے مل چکے ہیں اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ دنیا کے کاموں کا نظام ان کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہیں بلند کر سکتے ہیں، بادشاہت دے سکتے ہیں، اور جسے چاہیں زمین بوس کر سکتے ہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری ہر چیز کو جانتے ہیں، لوگوں کے راز جان سکتے ہیں، جانوروں سے بات کر سکتے ہیں، آسمان پر اڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے خود کو اولیاء کہا اور خود کو انبیاء کے مقابلے میں کھڑا کیا، بلکہ کئی نے خود کو انبیاء سے بھی برتر سمجھا۔

ان کے خیال میں دین یا مذہب جو انبیاء نے بنایا، عام لوگوں کے لیے تھا، اور دیندار صرف ظاہر پرست یا قشری تھے۔ لیکن صوفی گری ان برگزیدہ افراد کے لیے تھی جو مغز پرست ہیں اور دوسروں سے برتر ہیں۔

بے کاری اور بیوی نہ لینا، جو دونوں بہت برے کام ہیں، انہوں نے اسے "دنیا سے چشم پوشی" کا نام دیا اور اس پر فخر کیا۔ حالانکہ بے کاری کی وجہ سے انہیں گداگری کرنی پڑتی تھی، لیکن وہ اس عیب کو قبول نہ کرتے تھے۔ وہ عام لوگوں کو "اہل دنیا" کہتے اور ان کی مذمت کرتے تھے :

اہل دنیا، چھوٹے ہوں یا بڑے

ان سب پر خدا کی لعنت ہو

بازار، جہاں وہ روزانہ گداگری کے لیے جاتے تھے، اسے "**شیطانوں کی جگہ**" کہتے اور تاجروں کی مذمت کرتے تھے۔ ایک صوفی کو بے کار ہونا پڑتا تھا، اپنا گھر بار چھوڑ کر خانقاہ میں دوسروں کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ اگر کوئی صوفی گری اختیار کرنا چاہتا تو اسے اپنا مال درویشوں کو کھلانا پڑتا تھا، یعنی اسے لوٹ دینا پڑتا تھا، اور ان کی طرح غریب رہنا پڑتا تھا۔

ان کی کتابوں میں ایسی باتیں لکھی ہیں: "انہوں نے دنیاوی تعلقات ترک کیے"، "انہوں نے دنیا کی گندگی سے ہاتھ دھولیا"، "انہوں نے دنیا کی گندگی کو قبول نہ کیا"۔

جب صوفی گری مسلمانوں میں ابھری تو لوگ اس سے سخت گھبراتے تھے، خاص طور پر ان کی واہمہ پر مبنی باتوں سے۔ کوئی بغداد کے بازار میں گھومتا اور کہتا: "میری جیب میں خدا کے سوا کچھ نہیں۔" کوئی خانقاہ نشین کہتا: "سبحانی، میری کیا شان ہے۔" یہ واہمہ پر مبنی باتیں مسلمانوں کو بہت گراں گزرتی تھیں، اور وہ صوفیوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ چنانچہ حسین بن منصور کو بغداد میں اسی طرح کی باتوں کی وجہ سے سولی پر چڑھایا گیا۔ ترکستان کے ایک بادشاہ بغرا خان نے وہاں صوفیوں کا قتل عام کیا۔

لیکن چونکہ صوفی گری زندگی میں کچھ آسانیاں لاتی تھی اور سستی و آرام طلبی سے ہم آہنگ تھی، اور بہت سے لوگ لوگوں سے الگ رہنا اور ایک علیحدہ گروہ بنانا پسند کرتے تھے، اس لیے اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی۔ لوگ آہستہ آہستہ ان کی واہمہ پر مبنی باتوں سے گھبرانا چھوڑ دیے اور انہیں اذیت نہ دینے لگے۔ بلکہ بہت سے دولت مند ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، خانقاہیں بنوائیں، دیہات اور مکانات وقف کیے، اور امداد دی۔ صوفیوں نے بھی اپنے لیے اسلامی جڑیں بنائیں، کچھ نے اپنے سلسلے کو امام علی بن ابی طالب سے جوڑا اور کچھ نے خلیفہ ابوبکر سے۔

ساتویں صدی ہجری کے آغاز تک، جب مغلوں کی چڑھائی ہوئی، صوفی گری ایران، ہندوستان، خوارزم، بخارا، ترکستان، ایشیا صغیر، عراق، شام، مصر اور دیگر مقامات میں پھیل چکی تھی اور ہر جگہ خانقاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، مغلوں کی چڑھائی کی ایک بڑی وجہ یہی صوفی گری تھی۔

پھر مغلوں کے دور میں اس کی مقبولیت اور بڑھ گئی۔ کیونکہ اس وقت لوگوں پر جو مصیبت آئی تھی — خونخوار دشمنوں نے ان کے ملک پر حملہ کیا، لاکھوں مردوں کو قتل کیا، لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں کو غلام بنایا، پورے ملک کو تاراج اور ویران کیا — ایرانیوں کے سامنے دو راستے تھے: یا تو وہ مردانگی کا دامن تھامیں، غیرت مند بن کر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تاریخی جدوجہد کریں، دشمنوں سے فتح یاب ہوں اور گزشتہ بدلے لیں، یا پھر سب کچھ چھوڑ کر ملک دشمنوں کے حوالے کر دیں اور

زندگی کو صرف کھانے، سونے اور دن گزارنے تک محدود کردیں، اور اپنے دل کو سکون دینے کے لیے صوفی گری یا خراباتی گری کا سہارا لیں۔ ایرانیوں نے چونکہ قابل رہنما اور غیرت مند سران نہیں رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے دوسرا راستہ چنا، اور اسی وجہ سے صوفی گری اور خراباتی گری کی مقبولیت بڑھتی گئی۔

خاص طور پر مغلوں کو بھی یہ بات پسند تھی، کیونکہ یہ ان کے مفاد میں تھا کہ ایرانی ملک اور اس کی حکمرانی سے بالکل کنارہ کش ہوجائیں اور صوفی گری یا اس جیسے دیگر چیزوں میں مشغول ہوجائیں۔ مغلوں کا دور ان گمراہیوں اور بدآموزیوں کا بہار تھا۔ اسی مغلوں کے دور میں اور اس کے بعد ایران اور دیگر مقامات پر بہت بڑے صوفی گروہ بنے، اور کچھ نے عجیب و غریب کام شروع کیے، **جیسے آگ میں چلنا، سانپوں کے ساتھ کھیلنا وغیرہ۔ ایک گروہ قلندروں کا بھی بن گیا جو اپنے سر، داڑھی اور بھنویں منڈواتے اور عجیب و غریب کام کرتے تھے۔**

کچھ صوفی پیروں نے تاج و تخت کی خواہش کی اور درویشوں کی مدد سے اپنے لیے بادشاہتیں بنائیں۔ ایران میں ایک میر قوام الدین مرعشی یا میر بزرگ تھے جنہوں نے مازندران میں مرعشیوں کی بادشاہی بنائی۔ ایک اور شیخ جنید صفوی تھے جو اس خواہش کے ساتھ اٹھے، لیکن وہ اور ان کا بیٹا شیخ حیدر اس راہ میں مارے گئے، اور یہ کام حیدر کے بیٹے شاہ اسماعیل کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ صفوی خاندان صوفی گری سے ابھرا تھا۔ اس کے باوجود صفوی دور میں صوفی گری زیادہ ترقی نہ کرسکی، بلکہ اس خاندان کے آخری دور سے صوفی گری ایران اور دیگر مقامات پر زوال پذیر ہونے لگی اور اب تک اس کی شان و شوکت کم ہوتی جا رہی ہے۔

اس کے باوجود ہمارے دور میں ایران اور دیگر جگہوں پر صوفی اب بھی بہت ہیں اور اپنا نظام چلا رہے ہیں۔ ایران میں تہران، شیراز، مراغہ اور گناباد میں پیر موجود ہیں۔ ہندوستان سے ہم مہر بابا، شاہ خاموش اور دیگر کے نام سنتے ہیں۔

دوسری طرف، ہزار سال سے زائد عرصے سے صوفی گری ان ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے بدآموزیوں نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی ہے۔ اس کے علاوہ، اس عرصے میں صوفیوں میں سے سنائی، **ابوسعید، عطار، مولوی، اوحدی، جامی، شبستری** اور دیگر مشہور شاعر اور ادیب اٹھے جنہوں نے کتابیں لکھیں اور بہت سے اشعار کہے۔ یہ کتابیں اور اشعار اب بھی

لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں، اور جیسا کہ دیکھا جاتا ہے، یورپی مشرق شناسوں اور کچھ مشرقیوں کی ایک جماعت ان کتابوں کو فراموش ہونے سے بچانے اور ان کی مقبولیت بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے ۔

یہ ایک ایسی کہانی ہے کہ اس وقت جب قومیں ایک دوسرے سے سخت جنگ کر رہی ہیں اور ہر ایک دوسروں کو زیر کرنے کی کوشش میں ہے، ایران میں کوشش کی جارہی ہے کہ نوجوانوں کو صوفی گری کی زہریلی بدآموزیوں سے آشنا کیا جائے، جن کا نتیجہ زندگی سے بے پروائی، دنیا کی تحقیر اور مردانگی سے چشم پوشی ہے۔ دوسری قومیں اپنے نوجوانوں سے پائلٹ اور چھاتہ باز بناتی ہیں، جبکہ ایران میں ان سے **"گل مولاہا"** بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا یہ قوم کے ساتھ کھلی بدخواہی نہیں ؟

گفتار دوم

صوفی گری سے جو نقصانات ہیں

یہ جاننا چاہیے کہ صوفی گری سے بہت سے نقصانات ہیں اور اس سے کئی برائیاں گنی جاسکتی ہیں۔ چونکہ اس کتابچے میں جگہ کم ہے، اس لیے میں فہرست وار کچھ برائیاں گنواتا ہوں:

اول: جیساکہ ہم نے کہا، صوفی گری کی بنیاد "وحدت وجود" پر ہے، اور یہ واضح نہیں کہ اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ کیا کوئی خدا ہے اور انسان اس سے الگ ہوئے ہیں، یا کوئی خدا نہیں اور انسان خود خدا ہیں؟ ان کے اقوال سے پہلا مطلب سمجھا جاتا ہے، اور بہت سے صوفیوں، خاص طور پر وہ جو دینداری ظاہر کرتے ہیں، نے اسے قبول کیا۔ لیکن ان کے اقوال کا گہرا مطلب دوسرا ہے، اور بہت سے صوفیوں نے کھلم کھلا یہ کہا کہ انسان خود خدا ہیں۔

ابوبکر رازی، جو صوفیوں کے بڑوں میں سے ہیں، نے اپنی کتاب مرصاد العباد میں لکھا کہ "انسانی روح کو رب العالمین کے قرب سے عالم قالب اور تاریک عناصر کے گھر میں لایا گیا۔" وہ ایک کہانی یا افسانہ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو اپنا یہ ماضی یاد رہا۔ وہ لکھتے ہیں:

شیخ محمد کوفی نے نیشاپور میں بیان کیا کہ شیخ علی مؤذن نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں عالم قرب حق سے اس دنیا میں لایا جارہا تھا، میری روح کو آسمانوں سے گزارا گیا۔ ہر آسمان پر اس کے رہنے والوں نے مجھ پر رونا شروع کیا کہ بیچارے کو قرب کے مقام سے دوری کی دنیا میں بھیجا جارہا ہے۔ وہ اس پر افسوس کرتے اور مجھے رحم دیتے۔ تب عزت کا خطاب آیا کہ تم نہ سمجھو کہ اسے اس دنیا میں ذلت کے لیے بھیجا جارہا ہے۔ خدا کی عزت کی قسم، اگر وہ اپنی عمر میں ایک بار بھی کنویں سے ایک عورت کے لیے پانی کا ڈول بھر دے تو یہ تمہارے لاکھوں سال تک قدس کے باغات میں تسبیح کرنے سے بہتر ہے۔

لیکن دوسرے صوفیوں نے کھلم کھلا دعویٰ خدائی کیا اور ہر چیز کو خدا قرار دیا:

ہم ذوالجلال، خداوند اکبر ہیں

ہم قدوس ہیں، سب ناپاکوں سے برتر ہیں

ہم اپنی ذات کو ہر ذرے میں عیاں دیکھتے ہیں

میں خود کو ہر صفت سے ستائش کرتا ہوں

کبھی شراب و شاھد، کبھی ساغر ہوں

ہندوستان کے مشہور **صوفی مہر بابا** کے ایک پیرو کار نے ان کے بارے میں ایک کتاب میں لکھا کہ مہر بابا نے کہا: **"میں یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں، بلکہ چلا کر کہتا ہوں کہ میں خدا ہوں، تم خدا ہو، وہ خدا ہے، ہم خدا ہیں، آپ خدا ہیں، دوست خدا ہیں، دشمن بھی خدا ہیں۔ میں ان کی اس بات سے حیران ہوں کہ وہ خود کو بندہ اور مخلوق سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو صرف ایک یا دو ہاتھ کا جسم سمجھتے ہیں۔ میں نہ صرف خود کو خدا کہتا ہوں بلکہ سب کو خدا سمجھتا ہوں "۔**

بہر حال، **وحدت وجود** کا جو بھی مطلب لیں، اس میں کئی **نقصانات** ہیں :

1. یہ بات واہمہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ یہ فلسفیوں کی پریشان خیالی کی ایک مثال ہے کہ کچھ نے انسان کو خدا بنا دیا اور کچھ نے اسے چوپایوں اور درندوں کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھ دیا، کوئی فرق نہ رکھا۔
2. یہ بات خدا ترسی سے مطابقت نہیں رکھتی جو ہم نے پہلے بیان کی۔ جو انسان غیر ارادی طور پر اس دنیا میں آتے اور جاتے ہیں، کیا وہ خدا یا خدا سے ہو سکتے ہیں ؟
3. اگر انسان خدا یا خدا سے ہے تو پھر دنیا کی خوشیوں سے منہ موڑنے، خود کو سختی دینے یا دنیا کو حقیر سمجھنے سے کیا حاصل؟ اگر انسان خدا سے ہے تو وہ دیر یا سویر اس سے مل جائے گا، تو ان کوششوں کی کیا ضرورت؟ اگر مقصد روح کو آلودگیوں (ہوس، لالچ، غصہ، کینہ وغیرہ) سے پاک کرنا ہے تو اس کا راستہ یہ نہیں۔ اس کا راستہ انسانیت کا صحیح معنی جاننا اور زندگی کی سچائیوں کو سمجھنا ہے، جیسا کہ ہم نے دیگر جگہوں پر واضح کیا۔

دوم: <u>صوفیوں کی بے کاری اور خانقاہ نشینی ان کا ایک بڑا گناہ ہے۔</u> یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی ہوس بازیوں نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ زندگی کی واضح سچائیوں کو بھی نہ دیکھ سکے ۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ زندگی کے لیے خوراک، پانی، کپڑے اور دیگر ضروریات کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ہر شخص کو اپنی باری پر کسی کام یا پیشے سے کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ جو شخص کام نہ کرے اور مفت خوری کرے، وہ قوم کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور گنہگار ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی کوئی راہ بھی نہ رکھتا ہو اور صوفیوں کی طرح گداگری کرتا ہو تو اس کا گناہ دوگنا ہو جاتا ہے۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفیوں نے انہیں نہ سمجھا اور بے کاری اور گداگری کو اپنا شعار بنایا۔ ان کا خدائی کا دعویٰ اور گداگری کا عیب ایک دوسرے سے بدتر تھا۔

شاید کچھ لوگ سمجھیں کہ گداگری صرف گمنام اور بے وقعت درویشوں کا کام تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے بڑے پیر بھی اس میں ملوث تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر، جو ان کے بڑوں میں سے ہیں، خود کہتے ہیں کہ انہوں نے ابتدائی دور میں گداگری کی۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"درویشوں کے لیے ہم سوال کرنے لگے، اور اس سے زیادہ سخت کوئی چیز نہ دیکھی۔ جو ہمیں دیکھتا، شروع میں ایک دینار دیتا، پھر کچھ عرصے بعد کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ ایک موئز یا ایک جو تک آ گیا، اور پھر وہ بھی نہ دیتے"۔

ابوسعید کا ایک شاگرد بوسعد تھا، جو بعد میں بغداد گیا اور وہاں ایک خانقاہ بنائی اور مشہور ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ بغداد میں وہ حاجیوں کی قافلے کو مہمانی دیتا تھا اور گداگری سے ان کے لیے دسترخوان بچھاتا تھا۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"صوفیوں اور تاجروں کا ایک گروہ قافلے میں تھا۔ سب نے میری دعوت قبول کی۔ میں اٹھا، زنبیل اٹھایا اور گداگری کے لیے نکلا۔ ہر صبح و شام دسترخوان بچھاتا اور پانچ وقت کی اذان دیتا اور امامت کرتا۔ اسی طرح گداگری کرتا اور دسترخوان بچھاتا"۔

اسی ابوسعید نے جب شیخی حاصل کی اور نیشاپور یا میہنہ میں خانقاہ بنائی، اس کا کام صرف یہ تھا کہ ہر روز اپنے درویشوں کو اس یا اس دولت مند کے پاس بھیجتا اور ان سے پیسے یا چیزیں مانگتا۔ اگر کوئی نہ دیتا تو اس سے دشمنی کرتا، اس کی مذمت کرتا اور

ڈراتا۔ کتاب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابو سعید اس طرح کی کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شیخ نے ایک عورت سے درویشوں کے لیے مہمانی مانگی۔ اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں۔ شیخ نے کہا: گداگری کرو اور لا۔

جب بیس تیس تن درست مرد کام پر نہ جائیں اور خانقاہ میں دن گزارتے ہوں تو ناچار گداگری کی نوبت آتی ہے۔

یہ بے کاری ایک اور زبان بھی لاتی تھی، یعنی صوفی بیٹھ کر بیہودہ خیالات اور واہمہ بافی کرتے، مفت کھاتے اور واہمہ پر مبنی باتیں کرتے:

ہم ذوالجلال، خداوند اکبر ہیں

ہم قدوس ہیں، سب ناپاکوں سے برتر ہیں

وہ مفت کھاتے اور لوگوں پر زبان درازی کرتے:

اہل دنیا، چھوٹے ہوں یا بڑے

ان سب پر خدا کی لعنت ہو

مولوی کی مثنوی یا اس کے بیشمار غزلوں کی تمام واہمہ بافی اور عطار کے منطق الطیر اور دیگر کتابوں کی ریسندگی، سب بے کاری اور مفت خوری کا نتیجہ تھی۔

یہ جاننے کے لیے کہ صوفی اپنے دن کیسے گزارتے تھے اور اپنی ذہنی قوت کو کس راہ میں لگاتے تھے، اسرار التوحید سے ایک کہانی نقل کرتا ہوں:

"شیخ نے کہا: جب ہم آمل میں تھے، ایک روز شیخ ابوالعباس کے پاس بیٹھے تھے۔ دو افراد آئے اور ان کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگے: یا شیخ، ہم میں ایک بحث ہوئی۔ ایک کہتا ہے کہ ازل و ابد کا غم سب سے بڑا ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ ازل و ابد کی خوشی سب سے بڑی ہے۔ شیخ ابوالعباس نے اپنا ہاتھ چہرے پر رکھا اور کہا: الحمدللہ کہ قصاب کے بیٹے کا ٹھکانہ نہ غم ہے نہ خوشی۔ نہ صبح ہے نہ شام"۔

دیکھیں کہ کس قدر بیہودہ چیزوں سے وہ خود کو مشغول رکھتے تھے۔ سوال کرنے والوں کا سوال اور شیخ ابوالعباس کا جواب، دونوں ایک دوسرے سے زیادہ بیہودہ ہیں۔

سوم: بیوی نہ لینا صوفیوں کا ایک اور بڑا گناہ تھا۔ خدا نے مردوں کو عورتوں کے لیے اور عورتوں کو مردوں کے لیے بنایا اور ان کی تعداد برابر رکھی۔ جو مرد بیوی نہ لے وہ کسی عورت کی بدبختی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، اولاد پیدا کرنا اور نسل کو آگے بڑھانا ہر انسان کا فرض ہے، اور بیوی نہ لینا خالق کی نافرمانی ہے۔ اس کے علاوہ، صوفی جو بیوی نہ لیتے تھے، ان میں سے اکثر بدکاریوں میں ملوث ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے خانقاہوں میں "بچہ بازی" یا "شاہد بازی" رائج تھی، جو بدترین گناہوں میں سے ہے۔ انہوں نے اس ناپاکی کو خدا سے محبت کے ساتھ جوڑ کر اسے جائز بنایا اور کہا: "المجاز قنطرة الحقيقة" (ظاہری چیز حقیقت تک کا پل ہے۔

صوفیوں کا یہ طریقہ تھا کہ اپنے ہر برے کام کے لیے کوئی نیک عنوان بنا لیتے تھے۔ مثال کے طور پر، بے کاری کو "دنیا کی گندگی سے سر نہ جھکانا" کہتے تھے، گداگری کو "خود پرستی کو مارنے کی ریاضت" کہتے تھے، بیوی نہ لینے کو "لذت سے چشم پوشی" کہتے تھے، اور بچہ بازی کو بھی اسی طرح کا عنوان دیا۔

ایک کتاب میں صوفیوں کے ایک بڑے شیخ اوحدالدین حامد کرمانی کا ذکر ہے کہ وہ خوبصورت چہروں کے ذریعے حقیقت کو دیکھتے تھے اور خدا کی خوبصورتی کو جوانوں کے چہروں میں تلاش کرتے تھے۔ اسی کتاب میں ان کی ایک کہانی ہے:

"جب وہ سماع (رقص و آواز) میں گرم ہوتے تو امردوں کے کرتے چاک کرتے اور ان کے سینے سے سینہ ملاتے۔ جب وہ بغداد پہنچے تو خلیفہ کا ایک خوبصورت بیٹا تھا۔ اس نے یہ سنا اور کہا کہ وہ بدعتی اور کافر ہے، اگر اس نے میرے سامنے ایسی حرکت کی تو اسے مار دوں گا۔ جب سماع کا وقت آیا تو شیخ نے کہا:

میرے لیے خنجر پر چلنا آسان ہے

تو آیا ہے کہ ایک کافر کو مارے

دوست کی خاطر بے سیر ہونا

غازی جیسے تو بے رو ہے، کافر ہونا

خلیفہ کا بیٹا اور خلیفہ شیخ کے قدموں میں گر پڑے اور مرید ہو گئے "۔

چہارم: دنیا کی مذمت اور زندگی کو حقیر سمجھنا صوفیوں کا ایک اور گناہ تھا۔ انہوں نے دنیا کی مذمت کیوں کی؟ کیا دنیا کو خدا کے سوا کسی نے بنایا؟ کیا یہ ہمارا رہائشی مقام نہیں؟ اگر دنیا میں برائیاں ہیں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ مذمت اور بدگوئی کی زبان کھولنی چاہیے۔

صوفیوں اور خراباتیوں کی دنیا کی مذمت سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایران اور اس کے قریبی ممالک کے لوگ زندگی سے بے پرواہو گئے، سستی اور کاہلی میں مبتلا ہو گئے، اور پیش آنے والے واقعات کے منتظر رہنے لگے۔ اس بے پروائی اور سستی نے انہیں دوسروں کا محکوم بنا دیا۔

مجھے حیرت ہے کہ صوفی ایک طرف تو وحدت وجود کی بات کرتے تھے کہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز خدا سے الگ یا خود خدا ہے، اور دوسری طرف دنیا کو حقیر سمجھتے تھے۔ یہ کیا بات ہے اور وہ کیا بات ؟

پنجم: خدا سے محبت، رقص اور آواز خوانی صوفیوں کی ایک اور برائی تھی۔ پلوتینوس نے کہا تھا کہ انسان کی روح خدا سے الگ ہوئی ہے، اس لیے اسے ہمیشہ نیکیوں اور خوبصورتیوں کی خواہش رکھنی چاہیے اور خدا سے محبت کرنی چاہیے۔ اس لفظ "عشق" سے صوفیوں نے یہ عنوان لیا کہ وہ خدا سے عشق بازی کریں، اس کی یاد میں آواز خوانی کریں، چنگ اور نی بجائیں، ناچیں، ہاتھ ہلائیں اور اس قدر جھومیں کہ منہ سے جھاگ نکلے اور سر چکرا کر گر پڑیں۔ ان کے اقوال "عشق" کے لفظ سے بھرے پڑے ہیں :

اگر تو سب کچھ عشق کو دے دے
گر تو زیان مانگے، زیان پائے گا
عشق کی شبنم سے آدم کی مٹی گل ہوئی
صد فتنے اور شور دنیا میں پیدا ہوئے

یہ ظاہر ہے کہ یہ پلوتینوس کے اقوال سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ پلوتینوس نے "عشق" کا لفظ استعمال کیا، لیکن اس کا مطلب خدا کو یاد رکھنا، اس کا نام عزت سے لینا اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنا تھا، نہ کہ یہ سبک سرانہ حرکتیں۔ خدا سے اس طرح کی عشق بازی کیا معنی رکھتی ہے؟ پھر پلوتینوس کے مطابق پہلے انسان کو نیکیوں کی خواہش رکھنی چاہیے اور نیکیوں کے لیے کوشش کرنی چاہیے تاکہ عشق تک پہنچے، لیکن صوفیوں میں نیکیاں کم ہی دیکھی گئیں۔ ان کے کام وہی تھے جو ہم نے گنائے: بے کاری، مفت خوری، بچہ بازی، گداگری، واہمہ بافی وغیرہ۔

یہ صوفیوں کی خداترسی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے خود کو "عرفا" اور "اولیاء" کہا، لیکن خدا کے ساتھ ان کا سلوک یہی گستاخیاں تھیں۔ کچھ نے نادانی کی انتہا کردی اور خدا کو "شاہد" کا نام دیا، بلکہ ایک گندی گالی بھی اس کے ساتھ جوڑ دی:

کس سے کہوں کہ میرا نگار ہر جگہ کا شاہد ہے اور گوشہ نشین ہے

اگر صوفیوں کا کوئی اور گناہ نہ ہوتا تو یہ ایک گناہ ہی ان کی سیاہ کاری کے لیے کافی تھا۔ ان کی کتابوں میں اس طرح کی رسوائیوں کی کہانیاں ہیں۔ ایک کتاب میں شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی کا ذکر ہے کہ وہ سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مشہور مدرسوں میں پڑھائی میں مصروف تھا۔ ایک روز قلندروں کا ایک گروہ ہمدان آیا جن کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ گرفتار ہوگیا اور جب تک وہ ہمدان میں تھے، اس کے ساتھ رہا۔ جب وہ چلے گئے تو وہ بے تاب ہوگیا اور ان کے پیچھے چلا گیا۔ جب وہ ان سے ملا تو ان کے رنگ میں رنگ گیا اور ان کے ساتھ ہندوستان چلا گیا۔ ملتان میں وہ شیخ بہاء الدین زکریا سے ملا۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ نے اسے خلوت میں بٹھایا اور دس دن گزرے تو اسے وجد کی حالت ہوئی اور اس نے یہ غزل کہی:

پہلا جام جو انہوں نے دیا، ساقی کی مست آنکھوں سے لیا

وہ اسے بلند آواز سے پڑھتا اور روتا تھا۔ جب خانقاہ والوں نے یہ دیکھا اور اسے شیخ کے طریقے کے خلاف سمجھا، کیونکہ ان کے نزدیک خلوت میں ذکر یا مراقبہ کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے، تو انہوں نے اسے شیخ تک پہنچایا۔ شیخ نے کہا: "تمہیں اس سے منع

ہے، لیکن اسے نہیں۔"کچھ دن بعد شیخ کے ایک قریبی نے خرابات میں سنا کہ خراباتی اس غزل کو چنگ اور چغانہ کے ساتھ گا رہے ہیں۔ اس نے شیخ کو یہ بات بتائی۔ جب یہ شعر آیا:

جب انہوں نے اپنا راز فاش کیا

عراقی کو کیوں بدنام کیا

شیخ نے کہا: اس کا کام مکمل ہو گیا۔ وہ اٹھا، عراقی کی خلوت میں آیا اور کہا: عراقی، تم خرابات میں مناجات کرتے ہو؟ باہر آؤ۔ وہ باہر آیا اور شیخ کے قدموں میں گر پڑا۔ شیخ نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر اٹھایا اور اسے دوبارہ خلوت میں نہ جانے دیا اور اپنا خرقہ اسے پہنایا۔

اس کہانی پر غور کریں تاکہ آپ جان سکیں کہ صوفیوں کی "عشق" کا کیا مطلب تھا اور وہ کس راہ سے تھی۔

ششم: <u>صوفیوں کا ایک اور بڑا گناہ ان کی جھوٹ اور واہمہ بافی کی گستاخی تھی۔</u> ایک جاننے والے نے کہا کہ وہ جھوٹ کا انبان تھے۔ ان کے پیروں نے، جو خود کو "قطب" کہتے تھے، یہ دعویٰ کیا کہ دنیا کے کام ان کے ہاتھ میں ہیں، سورج، چاند اور ستارے ان کے حکم سے چلتے ہیں، وہ جس پر ناراض ہوں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور جس سے خوش ہوں اسے بلند مقام دیتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کو تاج دیتے اور چھین لیتے ہیں۔ کبھی دل کے راز جاننے کی بات کرتے، کبھی آسمان پر اڑنے کا دعویٰ کرتے۔

جو لوگ خانقاہ کے کونے میں بے کار بیٹھ کر دوسروں کے ہاتھ سے کھاتے تھے، وہ ایسی بے شرم باتوں سے باز نہ آتے۔ کتابیں جیسے صفوۃ الصفا، اسرار التوحید، تذکرۃ الاولیاء اور نفحات جامی جو میں نے دیکھی ہیں، ایسی جھوٹی باتوں اور واہموں سے بھری پڑی ہیں۔ کچھ نے تو مردہ زندہ کرنے تک کا دعویٰ کیا۔ ابوسعید نے واہمہ بافی کی انتہا کی کہ جب اس کا بیٹا مرا تو وہ اسے قبول نہ کر سکا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح ہے اور اس کا بیٹا بھی مر سکتا ہے۔ اس نے کہا: "بہشتیوں نے ہم سے یادگار مانگی، ہم نے ان کے لیے ایک دستنبوئے بھیجا"۔

یہ افسانے ایک طرف توظاہر کرتے ہیں کہ صوفیوں نے اپنی روح کی پاکیزگی کے لیے جو راہ اختیار کی وہ غلط تھی اور اس کا نتیجہ الٹا نکلا، جس نے ان کے دل کو اور گندا کیا۔ اس سے بڑھ کر گندگی کیا ہوگی کہ کوئی خدا سے جھوٹ باندھے اور ایسی واہمہ پر مبنی باتیں کرے؟ وہ اپنی خود پرستی کو مارنا چاہتے تھے، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ ان کی خود پرستی اور بڑھ گئی۔ ابو سعید اس بات کو برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس کا بیٹا دوسروں کے بیٹوں کی طرح ہو اور موت اسے بھی آئے۔

دوسری طرف، یہ افسانے یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ صوفیوں کے پیر نادان تھے جو خدا کو صحیح طور پر نہ جانتے تھے اور نہ اس کے دین سے واقف تھے۔ تھوڑی سی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ دنیا ایک نظام سے چلتی ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ یہ دنیا کے نظام سے باہر ہے کہ کوئی بغیر کسی آلے کے آسمان پر اڑے، مستقبل کا علم رکھے، کسی کو بادشاہ بنائے یا مردہ زندہ کرے۔ یہ کام نہ ہوئے اور نہ ہوں گے۔

اسلام کے بانی، اپنی عظیم حیثیت کے باوجود، جب لوگ ان سے معجزہ مانگتے تھے تو وہ اپنی ناتوانی ظاہر کرتے اور کہتے:

"سبحانک، کیا میں صرف ایک انسانی رسول سے زیادہ ہوں"؟

یہ سچ ہے کہ زیادہ تر صوفی پیر خود کو انبیاء سے برتر سمجھتے تھے، لیکن وہ خود بھی دیکھتے تھے کہ وہ فطرت کے نظام سے باہر کوئی کام نہیں کر سکتے، اور ان کے دعوے جھوٹ کے سوا کچھ نہیں تھے۔

اگر آپ صوفیوں کی کتابیں پڑھیں تو اکثر پیر کہتے ہیں کہ انہوں نے خضر کو دیکھا۔ کچھ کہتے ہیں: "حج کے سفر میں خضر میرے ساتھ ایک ہی کجاوہ میں تھا۔" حالانکہ سب جانتے ہیں کہ خضر ایک افسانہ ہے اور ایسا کوئی شخص کبھی نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیوں نے ایک طرف تو خدا سے ملنے کے دعوے کیے، اس لیے انہیں جھوٹے کرامات بنانے پڑے، اور دوسری طرف چونکہ وہ دوسروں کے ہاتھ سے کھاتے تھے اور ہمیشہ دولت مندوں کی طرف دیکھتے تھے، اس لیے انہیں لوگوں کو ڈرانے یا ان کے دل نرم کرنے کے لیے ایسی جھوٹی باتوں کی ضرورت تھی۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسرار التوحید میں ابو سعید کے بہت سے "معجزات" لکھے ہیں: وہ ہر کسی کے دل کا راز جانتا تھا، سرخس جاتے ہوئے ہوا میں اڑتا تھا، چوپایوں سے باتیں کرتا تھا، طغرل اور اس کے بھائیوں کو بادشاہی دلائی۔ لیکن اسی کتاب میں

ایک کہانی ہے کہ ایک شخص شیخ کے پاس آیا اور کہا: "میں اجنبی ہوں، اس شہر میں آیا ہوں۔ سب کہتے ہیں کہ یہاں ایک شخص ہے جس کے کرامات ظاہر ہیں۔ اب ایک کرامت مجھے دکھاؤ"۔

شیخ نے کہا: جب ہم آمل میں شیخ ابوالعباس قصاب کے پاس تھے، ایک شخص نے اسی طرح کا سوال کیا۔ شیخ ابوالعباس نے کہا: کیا دیکھتے ہو؟ یہ کرامت نہیں؟ ایک قصاب کا بیٹا تھا جس نے باپ سے قصابی سیکھی، اسے بغداد لے گئے، پھر مکہ، پھر مدینہ، پھر بیت المقدس، اور وہاں خضر اس کے سامنے آیا اور اس نے خضر کی صحبت پائی۔ لوگ اس کی تلاش میں آتے ہیں کہ خراباتوں سے نکل کر ظلمتوں سے بیزار ہوں۔ اس سے بڑھ کر کرامت کیا ہوگی؟ لیکن اس شخص نے کہا: یا شیخ، مجھے کوئی کرامت ابھی دکھاؤ۔ شیخ نے کہا: اچھا، دیکھ، یہ کرامت نہیں کہ میرا بڑا بیٹا بڑوں کے درمیان بیٹھا ہے اور زمین میں دھنس نہیں جاتا؟ یہ دیوار اس پر نہیں گرتی؟ یہ گھر اس کے سر پر نہیں گرتا؟ وہ بغیر ملک و مال کے ولایت رکھتا ہے، بغیر آلت و کسب کے روزی کھاتا اور لوگوں کو کھلاتا ہے؟ یہ سب کرامات نہیں؟

پھر شیخ نے کہا: یا جوانمرد، تمہارے ساتھ وہی ہوا جو اس شخص نے شیخ ابوالعباس سے کہا۔ میں کرامت مانگتا ہوں اور تم ابوالعباس کی بات کرتے ہو۔ شیخ نے کہا: جس کے پاس کریم کی جماعت ہو، اس کی تمام حرکات کرامات ہیں۔ پھر مسکرایا اور یہ شعر پڑھا:

ہر ہوا جو بخارا سے آتی ہے
گل، مشک اور سمن کی خوشبو لاتی ہے
ہر مرد و زن پر جو یہ ہوا چلتی ہے
گویا یہ ہوا ختن سے آتی ہے

اس کہانی کو غور سے پڑھیں۔ وہ کرامت مانگتا ہے اور ابوسعید جواب میں کہانیاں سناتا اور شعر پڑھتا ہے، اور ظاہر کرتا ہے کہ اس کا شیخ بھی اسی طرح عاجز تھا۔ لیکن وہ کرامت کے دعوے سے باز نہیں آتا اور کہتا ہے: "جس بندے کو خدا پاک کر دے، اس کی تمام حرکات کرامات ہو جاتی ہیں"۔

ہفتم: صوفیوں کا ایک اور بڑا گناہ عقل سے دشمنی اور اس کی مذمت تھی۔ عقل خدا کی سب سے قیمتی نعمت ہے، اور ہر شخص کو اسے پہچاننا اور اپنے کاموں میں اسے رہنما بنانا چاہیے۔ لیکن چونکہ صوفیوں کے کام بےخردانہ تھے، اس لیے انہوں نے عقل سے دشمنی کی۔ چونکہ ہم اس موضوع پر دوسری جگہ بات کر چکے ہیں، یہاں اس پر زیادہ نہیں لکھتے۔

آخر میں، صوفیوں کی کتابوں سے ایک اور کہانی نقل کرتے ہیں۔ اسی کتاب میں **شمس تبریزی اور مولوی** کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تین ماہ تک وہ خلوت میں دن رات روزہ اور وصال میں بیٹھے رہے، بالکل باہر نہ آئے، اور کوئی ان کی خلوت میں داخل ہونے کی جرات نہ کرتا تھا۔ ایک روز شمس الدین نے مولانا سے شاہد مانگا۔ مولانا اپنی حرم کو ہاتھ پکڑ کر لایا۔ شمس نے کہا: وہ میری روحانی بہن ہے، مجھے ایک نازنین لڑکا چاہیے۔ مولانا نے فوراً اپنے بیٹے سلطان ولد کو پیش کیا۔ شمس نے کہا: وہ میرا روحانی بیٹا ہے۔ اب اگر کچھ شراب مل جائے تو ذوق آئے۔ مولانا باہر گیا اور یہودیوں کے محلے سے شراب کا صراحی بھر کر لایا۔ شمس نے کہا: میں مولانا کی مطابعت کا امتحان لے رہا تھا، تمہارے پاس ہر چیز سے زیادہ ہے"۔

اس کہانی پر غور کریں: دو افراد تین ماہ تک خلوت میں کیا کر رہے تھے؟ کہتے ہیں: "روزہ اور وصال میں بیٹھے رہے۔" کیا تین ماہ تک مسلسل روزہ رکھنا ممکن ہے؟ پھر روزہ اور وصال کہاں اور شاہد یا لڑکے کی خواہش اور شراب مانگنا کہاں؟ یہاں کہاوت سچ ثابت ہوتی ہے: "جھوٹا بھول جاتا ہے"۔

کسی کا اپنی بیوی یا بیٹے کو دوسرے کے سامنے پیش کرنا کیا غیرت کے خلاف نہیں؟ کیا صوفی گری میں غیرت کی بھی ضرورت نہیں؟ اگر یہ کہانی سچ ہے تو مولوی کتنا بے غیرت تھا! اور اگر سچ نہیں تو یہ کتنی نادانی ہے کہ اپنے بڑوں پر ایسی جھوٹی کہانی باندھی جائے! یہی مولوی ہے جس کی مثنوی کو بار بار چھاپا جاتا ہے اور اس کی بے جا تعریف کی جاتی ہے، اس کی کتاب کو قرآن کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور بات جو یہاں ذکر کرنی چاہیے وہ یہ کہ بے کاری اور بیوی نہ لینا، جو ہم نے صوفیوں کے گناہ گنائے، تمام سلسلوں میں نہیں تھا۔ پہلے تو لمبے عرصے تک صوفی کوئی کام یا پیشہ نہیں کر سکتا تھا، لیکن بیوی لے سکتا تھا۔ لیکن صوفیوں نے بیوی لینے کو

کم تر سمجھا کیونکہ یہ سستی اور آرام طلبی سے زیادہ ساز گار تھا۔ پھر شیخ صفی اور شاہ نعمت اللہ نے اپنے پیرو کاروں کو اجازت دی کہ وہ کوئی کام یا پیشہ کریں۔ شاہ نعمت اللہ نے کہا: "خدا کے دوست اہل کسب و حرفت کے لباس میں بھی ہو سکتے ہیں "۔

گفتار سوم

ایرانی کیسے مغلوں کے زیر ہوئے ؟

ایران کی تاریخ میں ایک معمہ ہے جو اب تک حل نہیں ہوا۔ مغلوں کی دلخراش کہانی ہم جانتے ہیں۔ معمہ یہ نہیں کہ ایرانی اس آسانی سے مغلوں کے زیر کیسے ہوئے ؟

اس کہانی کو سمجھنے کے لیے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایرانی خود جنگجو اور دلیر قوم تھے۔ قدیم زمانوں سے یہ ملک ہمیشہ لشکر تیار کرتا اور جنگوں میں اٹھتا تھا۔ پھر اسلام نے چونکہ جنگ اور کوشش کو ہر ایک کا فرض قرار دیا، اس لیے ایرانیوں کی جنگجویی بڑھ گئی ۔

اگر ہم چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز میں ایرانیوں کو دیکھیں تو اس وقت وہ دلیری اور جنگجویی میں بہت آگے تھے۔ اس وقت ایک طرف سامانی ماوراء النہر میں ترکوں کے انبوہ کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے اور ان کے حملوں کو روکتے تھے۔ استخری اور دیگر نے لکھا کہ وہ ہمیشہ تین لاکھ سوار سرحد پر تیار رکھتے تھے۔ دوسری طرف سلطان محمود غزنوی اپنی فوجوں کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوتا، شہر فتح کرتا اور تاراج لاتا۔ تیسری طرف دیلمی اور گیلانی اپنے پہاڑوں سے نکل کر بادشاہتیں بناتے اور بوئی خاندان بغداد تک جا کر خلیفہ کو اپنا تابع کرتا۔ یہ حکومتیں آپس میں بھی دوستی نہ رکھتیں اور جنگ کرتیں ۔

اس کے باوجود ملک میں دیکھا جاتا تھا کہ ہر سال دس ہزاروں مرد ایشیا صغیر کی طرف جاتے اور وہاں مسلمانوں اور رومیوں کی سالانہ جنگوں میں شریک ہوتے۔ ایک سال ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ صرف خراسان سے اسی ہزار افراد ایشیا صغیر گئے۔ کہنا چاہیے کہ ایران غیرت اور مردانگی سے بھرا ہوا تھا۔

استخری کہتے ہیں: میں ماوراء النہر کے ہر دیہاتی کے گھر گیا تو اس کے اصطبل میں گھوڑا بندھا اور دیوار پر تلوار لٹکی دیکھی ۔

یہ ایرانیوں کا حال پانچویں صدی کے آغاز تک تھا۔ پانچویں صدی گزرتی ہے، چھٹی صدی آتی ہے، اور ساتویں صدی کے آغاز میں یہ ملک مغلوں کے حملوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہیں ہمیں تاریخی معمہ کا سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب چنگیز خان ماوراء النہر آیا تو اس نے چار سال تک وہاں، خوارزم اور بخارا میں شہر ویران کیے، مردوں کو قتل کیا، عورتوں کو غلام بنایا اور ہر ظلم کیا۔ اس کے باوجود خراسان، آذربائیجان، عراق، فارس اور دیگر جگہوں کے لوگ حرکت میں نہ آئے۔ کسی نے یہ نہ سوچا کہ کوئی گروہ بنائے اور مظلوموں کی مدد کرے یا تیاری کرے کہ اگر مغل اس طرف آئیں تو ان کا مقابلہ کرے۔ کروڑوں لوگوں میں سے ایک نے بھی ایسی مردانگی نہ دکھائی ۔

اس سے بھی بدتر یہ کہ چنگیز خان نے اپنے دو سرداروں **یمہ اور سوتائی** کو تیس ہزار فوج کے ساتھ خوارزمشاہ کے پیچھے بھیجا۔ وہ جیحون عبور کرکے خراسان سے قتل وغارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ایک گروہ مازندران سے اور دوسرا خوار، ورامین، ری اور ہمدان سے گزرا، اور یہاں بھی قتل وغارت کی۔ پھر وہ آذربائیجان گئے، وہاں موسم سرما گزارا اور بہار میں دوبارہ قتل و تاراج کے لیے پھیل گئے ۔

ایرانیوں میں نہ دلیری تھی کہ جنگ کریں اور دشمن کا ہاتھ روکیں، نہ ہوشیاری کہ عہد امان مانگ کر اپنے خاندانوں کو بچائیں۔ وہ بے سروسامان دشمن کے سامنے سے بھاگتے اور جلد ہی شکست کھا کر ان کے زیر ہوجاتے ۔

اس واقعے میں ایران کے بڑے شہروں میں سے صرف تبریز محفوظ رہا، اور یہ **شمس الدین طغرائی** کی ہوشیاری اور دلیری کی بدولت تھا۔ اس نے ایک طرف طاقت جمع کی اور شہر کی فصیل مضبوط کی، اور دوسری طرف سبکسری نہ کرتے ہوئے مغلوں کے پاس ایلچی بھیجے اور صلح و دوستی کی کوشش کی۔ شاید یہ پہلا موقع تھا کہ مغلوں نے ایرانیوں سے کوئی ہوشیارانہ اور مردانہ سلوک دیکھا، اس لیے انہوں نے شمس الدین کی درخواست قبول کی اور تبریز کو قتل و تاراج سے بچا لیا۔ دیگر شہر جیسے مرو، بلخ، نیشاپور، ری اور ہمدان کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ یمہ اور سوتائی نے اپنا کام مکمل کیا اور قفقاز، گرجستان اور بحیرہ خزر کے شمال سے اپنے لشکر گاہ واپس لوٹ گئے ۔

ابن اثیر کی **کامل التواریخ** کے مطابق، یہ ایک بہت بڑی دلخراش مصیبت تھی۔ واقعی یہ ایک بڑی دلخراش مصیبت تھی کہ تیس ہزار افراد اس طرف سے ملک میں داخل ہوں، قتل و تاراج کرتے ہوئے دوسری طرف سے نکل جائیں، اور لوگ اتنا عاجز اور ذلیل ہوں کہ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اگر ایرانی عاجز اور بے حس نہ ہوتے تو ان تیس ہزار میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا۔ یہ سچ ہے کہ ان کے پاس جنگ آزمودہ فوج نہیں تھی اور وہ سامنے سے جنگ نہ کر سکتے تھے، لیکن وہ یہ کر سکتے تھے کہ کسی گردن یا درے میں دشمن کا راستہ روکیں اور جنگ و گریز کریں۔ اگر لوگ بغاوت کرتے اور جنگ کے لیے تیار ہوتے تو ان میں سے دلیر اور ہوشیار سردار نکل آتے۔ بات یہ ہے کہ ایرانیوں نے کوئی بغاوت نہ کی۔ اتنا خونخوار دشمن اپنے ملک میں دیکھ کر بھی وہ حرکت میں نہ آئے۔

یہ بے حسی اور سستی کہاں سے آئی؟ اس ذلت اور پستی کی وجہ کیا تھی؟ کیا یہ وہی ایرانی نہیں تھے جو چوتھی اور پانچویں صدی میں وہ دلیریاں دکھاتے تھے؟ تو پھر ساتویں صدی میں یہ ذلت اور عجز کیوں نظر آیا؟ ان دو سو سالوں میں کیا ہوا تھا؟

اب تک کسی نے اس موضوع پر بحث یا تحقیق نہیں کی اور ان سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ لیکن ہم اس کا جواب جانتے ہیں: ان دو سو سالوں میں ایران میں کئی زہریلی بدآموزیوں نے جنم لیا اور لوگوں میں پھیل گئیں، جنہوں نے سب کو جنگ اور مردانگی کے خیالات سے دور کر دیا اور ان کی سمجھ کو مفلوج کر دیا۔ ان بدآموزیوں میں سے ایک صوفی گری، دوسری باطنی گری اور تیسری خراباتی گری تھی۔ (صوفی گری پر اس کتابچے میں بات کی، اور باطنی گری اور خراباتی گری پر دوسری جگہ بحث کی ہے۔) یہی نادانیاں اور بدآموزیاں تھیں جنہوں نے ایرانیوں کو سست اور بے حس کیا اور مغلوں کی فتح کو آسان بنا دیا۔

یہ سچ ہے کہ مغلوں کو ایران پر سلطان محمد خوارزمشاہ کی بیخردانہ سرکشیوں نے لایا، اور اس کی بزدلی اور ناکارہ پن نے جنگ آزمودہ فوجوں کو ختم کر دیا جو مغلوں کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ دوسری طرف خلیفہ الناصر لدین اللہ اور دیگر بڑوں نے بھی پستی دکھائی اور اپنا ہاتھ ہلایا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب مغل ماوراء النہر میں وہ قتل عام کر رہے تھے تو ایرانی یا دیگر مقامات کے مسلمان حرکت میں کیوں نہ آئے؟ یمہ اور سوتائی کے حملوں اور قتل عام کے سامنے کیوں نہ ڈٹے؟ ایک قوم جو اپنے قریب یا

اپنے درمیان اس قدر خونخوار دشمن دیکھتی ہو، اسے حرکت میں آنا چاہیے، بغاوت کرنی چاہیے اور چارہ سوچنا چاہیے۔ اگر وہ سامنے سے جنگ نہ کر سکتے تو گردنوں یا شہروں کی دیواروں کے پیچھے مقابلہ کر سکتے تھے۔

اس وقت کا ایران اس سے بڑا تھا، اور شہروں اور دیہات میں لوگ زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ ایرانیوں کو عراق، شام، مصر اور دیگر مقامات کے مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی۔ اتنی بڑی قوم نے ایسی ذلت اور ناتوانی کیوں دکھائی؟

جواب وہی ہے جو ہم نے دیا۔ جب مغل ایران میں آئے تو اس سے پہلے ہی ملک میں کشورداری، جنگ اور مردانگی کی باتیں ختم ہو چکی تھیں اور ان کی جگہ دنیا کی بے وقعتی، جنگ کی بے فائدگی اور کوشش کی بیہودگی کی باتیں لے آئی تھیں۔ صوفی، خراباتی یا باطنی سب لوگ نہیں تھے، لیکن ان کی بدآموزیوں نے سب کے دلوں میں جگہ بنالی تھی۔

اسی زمانے سے ہمیں ابن جبیر کی ایک اچھی کتاب **سفرنامہ** ملتی ہے جو ہمارے دعووں کی گواہ ہے۔ یہ شخص 578 ہجری میں اندلس سے نکلا، مصر اور سمندر کے راستے مکہ گیا اور واپسی میں عراق، شام اور دیگر جگہوں سے گزرا۔ اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے حالات کی اچھی معلومات دی ہیں۔ اس کے مطابق ہر جگہ صوفی بہت زیادہ تھے اور آرام و سکون سے دن گزارتے تھے۔ ہر جگہ صوفیوں کی بدآموزیاں عام ہو چکی تھیں۔ درویشی، پارسائی اور دنیا سے چشم پوشی خودنمائی کا عنوان بن چکی تھی۔ ہر جگہ واعظ لوگوں کو رلانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر جگہ خدا سے عشق اور وجد کی باتیں ہوتی تھیں۔ بغداد میں ابن جوزی سب سے بڑا واعظ تھا، جو منبر پر صوفیانہ اشعار پڑھتا اور لوگوں کو رلاتا، اور ہر بار کئی لوگوں کو سر منڈوا کر درویشی اور پارسائی کی طرف راغب کرتا تھا۔ اس کی کتاب میں کہیں بھی کشورداری، جنگ یا مردانگی کی بات نہیں ملتی۔ ہر جگہ مسلمان ان خیالات سے بہت دور تھے اور شاید کشورداری، دشمنوں سے روک تھام اور جنگ کو بادشاہوں، امراء اور ان کی فوجوں کا کام سمجھتے اور انہیں اہل دنیا کہہ کر حقیر سمجھتے تھے۔

یہ سمجھنے کے لیے کہ صوفیوں اور دیگر کی بدآموزیوں نے کس قدر اثر کیا اور جنگ و مردانگی کے خیالات کو مسلمانوں سے کتنا دور کر دیا، ایک اور تاریخی کہانی پیش کرتے ہیں:

یمہ اور سوتائی تیس ہزار فوج کے ساتھ ملک کے ایک سرے سے داخل ہوئے، قتل و تاراج کرتے دوسرے سرے سے نکل گئے۔ چنگیز خان نے چار سال تک ماوراء النہر، خوارزم اور بخارا میں قتل و تاراج کیا، پھر خراسان آیا اور غزنی تک گیا، اور وہاں سے لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں کو غلام بناکر منگولیا واپس گیا۔ اس کے بیٹوں اوکتائی اور تولی نے خراسان میں بہت قتل عام اور ویرانی کی اور بڑے شہروں کو برباد کیا۔

اس کہانی کے بعد ایرانیوں یا مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کیا انہیں گزشتہ واقعات سے سبق لے کر بیٹھنا اور سوچنا نہیں چاہیے تھا کہ ان بدبختیوں کی وجہ کیا تھی اور مستقبل کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ کیا انہیں یہ نہ جاننا چاہیے تھا کہ مغل دوبارہ آئیں گے اور اس کا چارہ سوچنا چاہیے؟

لیکن تاریخ واضح طور پر دکھاتی ہے کہ لوگوں کو کوئی پروا نہ تھی۔ وہ ان خونریز واقعات کو بھول گئے اور ہر گروہ اپنے کاموں میں مشغول رہا۔ ہم اس زمانے کی ایسی کہانیاں پڑھتے ہیں جو حیرت اور افسوس کا باعث ہیں۔ ایک کہانی المستنصر باللہ کے مدرسے کی ہے، جو ایک تاریخی کہانی ہے۔

المستنصر باللہ، الناصر لدین اللہ کا پوتا تھا، جو اپنے نانا کے بعد خلافت کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے 625 ہجری (چنگیز خان کی واپسی کے سات سال بعد) بغداد میں ایک مدرسہ بنانا شروع کیا اور اس پر بہت سا خزانہ لگایا۔ 631 ہجری میں جب یہ مکمل ہوا تو اسے بڑی شان سے کھولا اور **چند سو فقہاء اور چند سو صوفیوں کو وہاں بٹھایا**، جن کے لیے خوراک، پانی، کپڑے اور دیگر ضروریات مہیا کی گئیں۔

اس مدرسے کا نام کتابوں میں بہت آیا اور اسے اسلامی تمدن کی مثال سمجھا گیا۔ لیکن اگر سچ کہا جائے تو یہ مسلمانوں کے پست خیالات، خلیفہ اور اس کے ساتھیوں کی سستی اور بے حسی کی مثال ہے۔

اگر مسلمان اندھے اور پست خیال نہ ہوتے تو انہیں مغلوں سے انتقام لینے کی فکر ہوتی، وہ منوچستان میں درد بھرے دلوں کے ساتھ زندگی گزارنے والی لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں کو نہ بھولتے، ہر جگہ چوکس رہتے اور اس مصیبت کا حل ڈھونڈتے۔ فقہاء، صوفی یا دیگر لوگوں کو ہر کام چھوڑ کر جنگی فنون سیکھنے چاہئیں تھے۔ خلیفہ کو اپنے خزانوں سے فوجیوں کو دینا چاہیے تھا،

جنگی ہتھیار خریدنے چاہئیں تھے اور قلعے بنانے چاہئیں تھے۔ لیکن صرف سات سال بعد ہی خونریزی کو بھلا کر اس طرح مدرسہ بنانے (**یا بہتر کہا جائے کہ فقہاء اور صوفی بنانے کی فیکٹری کھولنے**) میں لگ جانا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نہ خلیفہ میں اور نہ ہی لوگوں میں غیرت، مردانگی یا عقل و فہم باقی رہا تھا۔ ایسے لوگ اسی کے مستحق تھے کہ مغل دوبارہ آئیں، قتل کریں، آگ لگائیں، غلام بنائیں اور آخر کار بغداد پر قبضہ کر کے چالیس دن تک قتل عام کریں۔

یہ موضوع بہت وسیع ہے اور اس سے دیگر نتائج بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسانوں کو بے راہ روی سے بچنے کے لیے دین کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ صوفی (اور خراباتی بھی) خود کو دین سے بالاتر سمجھتے تھے، اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح لاکھوں لوگوں کی تباہی کا باعث بنے اور ہزاروں مردوں اور عورتوں کے خون کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

یہ لوگ بدبختوں کی طرح بیٹھ کر دنیا اور زندگی کی مذمت کرتے تھے، لوگوں کو مایوس کرتے اور انہیں کاہلی اور پستی کی طرف دھکیلتے تھے۔ وہ جنگ اور مردانگی کی بُرائی کرتے، خانقاہوں میں بیٹھ کر سختیاں سہتے اور اسے (اپنے خیال میں) نفس سے جہاد سمجھ کر "جہادِ اکبر" کہتے تھے۔ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی بے معنی باتوں سے بھر دیتے اور انہیں ہر قسم کے علم اور اچھے عقائد سے محروم کر دیتے تھے۔

صوفیوں کی اپنی کتابوں میں بھی مغلوں کے حملوں کے بارے میں کہانیاں ہیں جو ہمارے ان دعووں کی تصدیق کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، نجم الدین رازی، جو صوفیوں کے بڑوں میں سے ایک تھا اور مغلوں کے زمانے میں زندہ تھا، اپنی کتاب **"مرصاد العباد"** میں لکھتا ہے:

"جب ان ملعونوں (مغلوں) کی غلبہ اور قہر ظاہر ہوا، میں نے تقریباً ایک سال تک عراق کے علاقوں میں صبر کیا، اس امید پر کہ شاید فتنہ و بلا کی یہ تاریک رات ختم ہو اور سعادت کا سورج طلوع ہو۔ میں نے ہر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں تاکہ اپنے بچوں اور اہل و عیال سے جدائی نہ ہو، دوستوں اور وطن کو نہ چھوڑنا پڑے۔ نہ تو میں اپنے اہل و عیال کو اس علاقے سے نکال سکتا تھا، نہ ہی دل گوارا کرتا تھا کہ انہیں ہلاکت کے حوالے کر دوں۔ آخر کار جب مصیبت انتہا کو پہنچی اور تکلیف بے انتہا ہوئی، تو "الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورت حالات میں حرام کو جائز کر دیتی ہے) پر عمل کرنا پڑا۔ میں نے قرآن کی

آیت ”اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو، اگر تم ہدایت پر ہو تو گمراہ تمہیں نقصان نہ دے گا“ پر عمل کیا اور ”جو اپنی جان بچالے وہی کامیاب ہے“ کے اصول پر چلا۔ میں نے ”ناقابل برداشت سے فرار، انبیاء کی سنت ہے“ کو اپنایا اور اپنے عزیزوں کو بلا کے حوالے کر دیا۔“

وہ لکھتا ہے:

”میں ہمدان سے، جو میرا مسکن تھا، رات کے وقت نکلا اور اپنے کچھ عزیزوں کے ساتھ، جو شدید خطرے میں تھے، 608 ہجری میں اردبیل کے راستے پر روانہ ہوا۔ بعد میں خبر ملی کہ کفار (مغلوں) نے ہمدان پر حملہ کیا، شہر کو گھیر لیا، شہریوں نے مقابلہ کیا، بہت سے شہید ہوئے، لیکن آخر کار مغلوں نے شہر پر قبضہ کر لیا، بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور میرے اہل و عیال، جو ری میں تھے، زیادہ تر شہید کر دیے گئے۔“

اس کہانی کو غور سے پڑھیں تاکہ آپ جان سکیں کہ صوفی کس قسم کے لوگ تھے اور لوگوں کو کیا بناتے تھے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ اس نے ایک سال تک صبر کیا کہ شاید مصیبت ختم ہو جائے۔ یہ نادان امید رکھتا تھا کہ مغل خود بخود واپس چلے جائیں گے۔ وہ یہ توقع رکھتا تھا کہ مغل ماوراء النہر، بخارا، خوارزم اور خراسان میں جو چاہیں کریں، جتنا چاہیں قتل کریں، اور پھر واپس چلے جائیں تاکہ عراق (ری اور ہمدان) کے لوگ خوف سے آزاد ہو جائیں۔ اس امید میں وہ صبر کرتا رہا اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ ایرانیوں کو خود کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس بلا کو دور کیا جائے۔ اسے یہ خیال تک نہ آیا کہ اسے اور دیگر رہنماؤں کو آگے بڑھ کر لوگوں کو بیدار کرنا چاہیے، انہیں اپنے خاندانوں کی حفاظت کے لیے لڑنا سکھانا چاہیے۔

اس کے علاوہ، اس کی پستی دیکھیں کہ اس نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور خود چند درویشوں کے ساتھ، جو اس کے کام کے آلہ کار تھے، ہمدان سے بھاگ نکلا۔ اس بدبخت نے یہ نہ کیا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ رہے، اگر مرنا تھا تو سب ایک ساتھ مرتے، اور اگر بھاگنا تھا تو سب ایک ساتھ بھاگتے۔ کیا ایسی بے غیرتی کوئی پست کولی بھی کر سکتا ہے؟

اس سے بھی بدتر وہ بہانے ہیں جو وہ پیش کرتا ہے "**:الضرورات تبیح المحظورات**"۔ کیا یہ فقہی جملہ یہاں فٹ بیٹھتا ہے؟ تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کیوں ساتھ نہ لے جا سکے؟ اور جو قرآنی آیت اس نے پیش کی، وہ تو اس زمانے کے لیے تھی جب اسلام کے ابتدائی دور میں اگر کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا اور اس کے رشتے دار بت پرستی میں رہتے تھے تو اسے ان سے لڑائی نہ کرنی تھی۔ اس آیت کا عورتوں اور بچوں کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگنے سے کیا تعلق؟

اس کی شاعری دیکھیں:

"جب تک بلا نہ آئی، وہ اسے نازنین سمجھتا تھا

جب بلا آئی تو اس نے اسے چھوڑ دیا، کوئی تیر انہیں"

یہ ان کا طریقہ تھا کہ جب کوئی خیال ان کے ذہن میں آتا، وہ قرآن، حدیث، شاعری یا دیگر چیزوں سے جملے اٹھا لاتے، بغیر کسی مناسبت کے۔ یہاں بھی اس نے یہی کیا:

"بلا کے بغیر وہ اسے نازنین سمجھتا تھا"

کیا یہ شعر تعریف میں کہا گیا یا مذمت میں؟

جیسا کہ کہا، یہ شخص صوفیوں کے بڑوں میں سے تھا اور یہ ان کا اچھا نمونہ ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ صوفیوں کے خیالات اور احساسات کیا تھے۔ وہ زندگی میں اس سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے کہ کام اور کوشش سے مکمل طور پر بے پرواہ ہیں، جو کچھ مل جائے (خواہ گداگری سے) اس سے کھائیں، اور مصیبتوں میں قسمت کے بھروسے بیٹھ کر انتظار کریں کہ حالات خود ٹھیک ہو جائیں۔ اگر نہ ہوئے تو اپنی جان بچا کر بھاگ جائیں۔ یہ زندگی کا سب سے پست درجہ ہے۔

پھر یہی صوفی، چار سو سال سے زیادہ عرصے تک، جو مغلوں سے پہلے ان کے عروج کا زمانہ تھا، خراباتیوں اور باطنیوں کے ساتھ مل کر لوگوں کو اپنے پست خیالات سے آلودہ کرتے رہے۔ ایک آزمائش کی ضرورت تھی تاکہ اس آلودگی کی حد معلوم ہو، اور یہ آزمائش مغلوں کی آمد سے ہوئی، جس نے ایران اور اسلام کی عوام کی پستی اور آلودگی کو بے نقاب کر دیا۔

افسوس کہ مغلوں نے، جو صوفیگری اور خراباتیگری کے عروج کی وجہ سے ایران اور اسلامی ممالک پر غالب آئے، ان کے زمانے میں صوفیگری اور خراباتیگری کو اور فروغ ملا۔ جیسا کہ ہم نے کہا، مغلوں کے زمانے میں ایران اور دیگر علاقوں میں صوفیوں کی بڑی سلسلوں کی بنیاد پڑی اور ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ سچ یہ ہے کہ اس حال میں، جب ایرانیوں اور مسلمانوں پر خونخوار دشمنوں نے حملہ کیا، لاکھوں لوگوں کو قتل کیا، ہزاروں عورتوں اور لڑکیوں کو غلام بنایا، اور آخر کار ملک کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی، لوگوں کو دو میں سے ایک کام کرنا چاہیے تھا: یا تو مردانہ وار متحد ہو کر تاریخی قربانیاں دیتے، مغلوں سے انتقام لیتے اور انہیں ملک سے نکال دیتے، یا پھر انتقام اور مردانگی سے آنکھیں موند کر صوفیگری اور خراباتیگری میں ڈوب کر اپنے دلوں کو تسلی دیتے اور دن گزارتے۔ بدقسمتی سے ایرانیوں نے، جو آلودہ ہو چکے تھے اور جن کے پاس قابل رہنما نہ تھے، دوسرا راستہ چنا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیگری اور خراباتیگری (بے راہ روی) روز بروز بڑھتی گئی اور پست تعلیمات کی بھرمار ہوتی گئی۔

دوسری طرف، صوفیوں نے مغلوں کے اس واقعے سے بھی فائدہ اٹھایا۔ وہ لوگوں کی بدبختی اور دل سوزی سے موقع پا کر نفع کماتے رہے۔ چونکہ یہ صوفیوں کی ایک گندی چال ہے، اسے یہاں تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

صوفیوں کی بدکرداریوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ واقعات اور پیش آمدوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اگر کوئی سردار جنگوں میں کامیاب ہو کر بادشاہ بن جاتا، وہ کہتے "**: فلاں وقت وہ ہمارے شیخ کے ہاتھ چومنے آیا تھا، اور شیخ نے کہا تھا کہ ہم نے تجھے خراسان یا فلاں جگہ کی بادشاہی دی۔**" اگر کوئی بادشاہ مارا جاتا یا تخت سے ہٹ جاتا، تو وہ کہتے "**: وہ اولیاء کا دشمن تھا، فلاں وقت ہمارے شیخ نے اس سے پیسے مانگے اور اس نے نہ دیے۔**" اگر کسی کا جوان بیٹا مر جاتا یا کوئی تاجر بڑی دولت کماتا، تو وہ اسے سرزنش کرتے اور کہتے "**: چونکہ اس نے درویشوں کی مدد نہ کی، اسے اس کا بدلہ ملا۔**"

یہ رویہ ان کی مفت خوری اور گداگری کا نتیجہ تھا۔ زیادہ پیسے حاصل کرنے کے لیے وہ ایسی گھٹیا حرکتوں پر اتر آتے تھے۔ یہ نہ صرف ان کی جھوٹی باتوں اور خدا کے ساتھ گستاخی کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ ان کے پست کردار کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ جب کسی کا بیٹا مر جاتا یا کوئی مصیبت آتی، مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ دوست اور رشتے دار اس کے غم میں شریک ہوں، اسے تسلی دیں، نہ کہ موقع پا کر اسے سرزنش کریں۔ ایسی حرکت صرف پست گداؤں سے ہو سکتی ہے۔

بہرحال، مغلوں کے واقعے میں بھی صوفیوں نے یہی طریقہ اپنایا۔ جب **سلطان محمد خوارزمشاہ** نے، مغلوں کے حملے سے چند سال قبل، **شیخ مجد الدین بغدادی** نامی ایک بڑے صوفی کو خوارزم میں پانی میں ڈبو کر مار دیا تھا، تو مغلوں کے حملے کے بعد صوفیوں نے کہا:

"خدا نے چنگیز خان کو شیخ مجد الدین کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بھیجا۔" وہ کہتے تھے **": جب مجد الدین مارا گیا تو خدا کا غضب بھڑک اٹھا اور اس نے مغلوں کو اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بھیجا۔"**

انہوں نے ایک جھوٹی کہانی بنائی اور اپنی کتابوں میں لکھا:

"جب خوارزمشاہ نے مجد الدین کو مارا تو اسے اس کے نتائج سے خوف آیا۔ اس نے ایک لگن میں سونا بھرا، اس پر تلوار اور کفن رکھا اور ننگے سر شیخ نجم الدین کبری، جو مجد الدین کے استاد تھے، کے پاس گیا۔ اس نے معافی مانگتے ہوئے کہا':اگر خون بہا چاہتے ہیں تو یہ سونا، اور اگر سزا چاہتے ہیں تو یہ میری گردن اور یہ تلوار۔ شیخ نے کہا':اس کا خون بہا پیسے نہیں، اس راہ میں تیری بادشاہی جائے گی، میری اور دوسروں کی گردنیں بھی جائیں گی۔"

دیکھیں اس تنگ نظری کو: لوگوں کو یہ سمجھانے کے بجائے کہ مغلوں کی فتح تمہاری سستی، بے غیرتی اور پراگندگی کا نتیجہ ہے اور انہیں چارہ سازی کی طرف راغب کرنے کے بجائے، ان جھوٹوں سے لوگوں کو اور گمراہ کیا۔ یہ صوفیوں کی خدا کے ساتھ گستاخی کی ایک اور مثال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے مجد الدین بغدادی کے خون کا بدلہ مغلوں کے ہاتھوں لیا، لیکن کس سے؟ بخارا، سمرقند، خوارزم، مرو، نیشاپور، ری اور ہمدان کی بے گناہ عورتوں اور بچوں سے! ایک صوفی کے قتل کے لیے خدا نے پورے ملکوں کو تباہ کر دیا؟ یہی ان کے کہنے کا مطلب ہے!

اس کے علاوہ، مغلوں کے ہاتھوں خود صوفی بھی مارے گئے۔ نجم الدین خوارزمی مارا گیا، شیخ عطار مارا گیا، اور دیگر بھی مارے گئے۔ اگر صوفی خدا کے دربار میں اتنی عزت رکھتے تھے تو انہیں کیوں نہ بچایا گیا؟ پھر کیا وجہ تھی کہ ایک صوفی کے قتل کے بدلے ہزاروں بے گناہوں کو مار دیا گیا، لیکن زندہ صوفیوں کے لیے نیشاپور یا خوارزم جیسے شہروں کو قتل عام سے نہ بچایا گیا؟ کیا ان کے "**کرامات**" سب نقصان دہ تھے؟

شیخ عطار کے بارے میں بھی انہوں نے جھوٹ گھڑا کہ "**جس مغل نے اسے قتل کیا، جب اس نے تلوار چلائی اور اس کا سر گرا، تو عطار کا دھڑ بغیر سر کے چیختا ہوا دوڑا اور آدھ فرسخ تک دوڑ کر گر پڑا۔**" اگر وہ معجزہ دکھا سکتا تھا تو اس نے اسے مفید کام کے لیے کیوں نہ دکھایا؟

مجد الدین کے بارے میں ایک اور جھوٹی کہانی ان کی کتابوں میں ہے ": ایک دن مجد الدین درویشوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور جذب کے عالم میں بول اٹھا ': ہم غازیوں کا بچہ تھے جو سمندر کے کنارے رہ گئے۔ ' جب یہ بات اس کے استاد نجم الدین کبری کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا ': وہ سمندر میں ہوگا۔ ' مجد الدین ڈر گیا۔ ایک دن جب شیخ سماع (رقص و موسیقی) میں مصروف تھے، مجد الدین ننگے پاؤں ان کے پاس آیا، سر پر آگ سے بھرا ہوا لگن رکھا اور دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ نجم الدین نے کہا ': چونکہ تو اس طرح آیا، تیرا دین و ایمان محفوظ رہا، لیکن تیری گردن جائے گی، ہماری گردنیں بھی جائیں گی اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ' کچھ عرصہ بعد یہ سب باتیں سچ ثابت ہوئیں۔ "

ایسی کہانیاں، جنہیں چیستان (پہیلی) کہنا چاہیے، صوفیوں کی کتابوں میں بہت ہیں۔ وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ان کا تعلق کسی اور دنیا سے ہے، ان کی زبان الگ ہے اور ان کے خدا کے ساتھ راز ہیں۔ یہ گداوں کی ایک ٹولی تھی جو خدا کے ساتھ کسی بھی قسم کی گستاخی سے باز نہ آتی تھی۔

میں پوچھتا ہوں: اگر یہ کہانی سچ ہے اور مجد الدین نے اپنی زبان نہ سنبھالی، تو اس کے استاد کے کہنے پر اسے قتل ہونا چاہیے تھا۔ یہ خدا کی مرضی تھی۔ پھر خوارزمشاہ کا کیا قصور؟ خدا کو کیوں غضب آیا اور اس نے مغلوں کو اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کیوں بھیجا؟

اس کے علاوہ، کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ سب کچھ خدا ہے؟ تو پھر خوارزمشاہ بھی خدا تھا، اس نے ایک خدائی کام کیا اور ایک خدائی ہستی کو مارا۔ پھر غضب اور بدلہ لینے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ اپنی باتوں کے منطقی نتائج کو کیوں نہیں مانتے؟

ایک جگہ آپ صوفیانہ خیالات میں ڈوب کر کہتے ہیں کہ **اچھا اور برا، درست اور غلط، ظلم اور انصاف، تاریکی اور روشنی سب ایک ہیں۔** آپ فرعون اور موسیٰ میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں:

”جب بے رنگی رنگ میں گرفتار ہوئی، تو موسیٰ، موسیٰ سے لڑ پڑا۔“

لیکن دوسری جگہ آپ عوام کی طرح جاہلانہ بات کرتے ہیں کہ خدا نے **چنگیز خان** کو **مجد الدین** کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بھیجا۔ آخر یہ کیا ہے؟

مغلوں کے زمانے میں صوفیوں کی ایک اور سوداگری یہ تھی: جب 628 ہجری میں **جلال الدین خوارزمشاہ** آذربائیجان سے مغلوں سے بھاگ کر **کردستان** گیا، وہاں **مغلوں** نے اچانک اس کے خیموں پر حملہ کیا۔ وہ صرف اپنا گھوڑا لے کر بھاگ سکا اور پہاڑوں میں ایک کرد کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ اس بہادر شخص کی زندگی کا اختتام تھا۔

لیکن لوگ کئی سالوں تک **اس کے مرنے پر یقین نہ کر سکے اور اس کے دوبارہ ظاہر ہونے کے منتظر رہے۔** صوفیوں نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا اور اپنی کتابوں میں لکھا کہ شیخ الشیوخ **رکن الدولہ علاء الدولہ سمنانی** نے کہا”: ایک دن میرا استاد اچانک غائب ہو گیا۔ شاگرد حیران ہوئے۔ پھر جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا‘: جب سے جلال الدین بھاگا، اس نے درویشی لباس پہن لیا اور ’رجال اللہ‘ کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ وہ ہمیشہ دنیا کے کونوں میں گھومتا رہا یہاں تک کہ اس کی موت آئی۔ وہ فلاں غار میں مر گیا۔ میں اس کی نماز جنازہ پڑھنے اور اسے دفن کرنے گیا۔“

گفتار چہارم

پلوتینوس کے خیالات میں موجود حقیقت

پلوتینوس کے خیالات، جو صوفیگری کا سرچشمہ بنے، میں ایک حقیقت چھپی ہے۔ وہ یہ کہ انسان صرف **یہ مادی جسم اور روح** نہیں ہے، اور انسان کی خواہشات صرف کھانا، لذت حاصل کرنا اور اپنے ہم جنسوں سے لڑنا نہیں ہیں۔ بلکہ انسان کے اندر ایک اور نظام موجود ہے، جس کی خواہشات **دوسروں سے ہمدردی کرنا، نیکی کرنا، انصاف اور سچائی کی حمایت کرنا، دنیا کی ترقی اور انسانوں کی بھلائی چاہنا وغیرہ** ہیں۔ ہر انسان کو اسے جاننا چاہیے، اپنے اندر اس روانی نظام کو پہچاننا چاہیے اور اسے مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پلوتینوس نے اس حقیقت کو سمجھا اور انسان کی برگزیدگی کو جانا۔ لیکن جب اس نے اسے بیان کرنے کی کوشش کی تو اسے دیگر یونانی فلسفیوں کی طرح اپنی **واہماتی باتوں** میں ملا دیا اور **وحدت وجود** جیسے بے بنیاد نظریات سے آلودہ کر دیا۔

اس کے علاوہ، پلوتینوس نے جو راستہ روح کو مضبوط کرنے کے لیے دکھایا، وہ بہت غلط ہے۔ **دنیا کی خوشیوں سے کیوں منہ موڑنا چاہیے؟ بے فائدہ سختیاں کیوں برداشت کرنی چاہئیں؟ خدا سے عشق کا لفظ یہاں کیا معنی رکھتا ہے؟** اسی طرح "**خود سے باہر نکلنا**" یا "**بے خودی**"، جو پلوتینوس رنج و مشقت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے خود چار بار اس حالت کو پایا اور خدا سے جا ملا، یہ محض واہمہ ہے۔ کوئی انسان نہ خود سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ ہی خدا سے جا مل سکتا ہے۔

میں دوبارہ کہتا ہوں کہ یہ سچ ہے کہ انسان صرف مادی جسم اور روح نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک اور نظام ہے جس کی خواہشات مختلف ہیں۔ ہم نے اس حقیقت کو "جان وروان" کے عنوان سے بارہا سادہ اور مضبوط زبان میں بیان کیا ہے۔ پلوتینوس اسے علمی زبان میں بیان نہ کر سکا اور اس پر بے بنیاد واہمات کا اضافہ کر دیا۔

یہ بھی سچ ہے کہ ہر شخص کو اپنی روح کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن اس کا راستہ دنیا سے کنارہ کشی یا خود کو اذیت دینا (ریاضت) نہیں ہو سکتا۔ اس سے الٹ نتائج ہی نکلتے ہیں۔ روح کو مضبوط کرنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ دنیا اور زندگی کو

ویسے ہی جانا جائے جیسے وہ ہے، خدا کو پہچانا جائے، اس کی عظمت اور طاقت کو سمجھا جائے، اپنی کمزوری اور ناتوانی کو اس کے سامنے تسلیم کیا جائے، اور جان وروان کے دو گوہروں سے نکلنے والے نتائج کو سامنے رکھا جائے۔ وہ سختی جو ہر شخص کو خود پر ڈالنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں لالچ، غصہ، کینہ، خود غرضی وغیرہ کو روکے اور ہر کام میں نہ صرف اپنی بلکہ سب کی بھلائی کو مد نظر رکھے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو ہم پلوتینوس سے کہتے ہیں۔ لیکن صوفی اس حد تک بھی نہ رکے اور جہاں تک ہو سکا گمراہیوں میں آگے بڑھے۔ ہم ان کے خیالات میں کوئی حقیقت نہیں پاتے۔ ہاں، یہ سچ ہے کہ تمام صوفی جان بوجھ کر گمراہ نہ تھے۔ کبھی کبھار بعض صوفی صرف سادہ پرہیزگاری اور لالچ یا خود غرضی سے بچنے پر اکتفا کرتے تھے، جن سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن ایسی چیزیں بہت کم تھیں۔ **صوفیگری مجموعی طور پر بہت بڑی گمراہیوں اور زہریلی بدآموزیوں کا سرچشمہ رہی ہے، جن سے بڑے تاریخی نقصانات ہوئے۔**

ہم نے اس کتابچے میں، جو عام لوگوں کے لیے لکھا گیا اور جس کی زبان کو ہم نے حتی الامکان سادہ رکھنے کی کوشش کی، سب کچھ بیان کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے "**طامات**" اور "**شطحیات**" کا ذکر نہیں کیا، نہ ہی قلندروں اور ان کے کاموں پر بات کی۔

ایک اور نکتہ جو بیان کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ صوفیگری آج محض ایک سادہ گمراہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک **منافع بخش دھندہ** بھی ہے۔ صوفی نادانی کی وجہ سے صوفیگری کی طرف نہیں جاتے اور نہ ہی اس پر ڈٹ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی لیے جاننے کے باوجود اس سے ہاتھ نہیں کھینچتے۔

آپ کہیں گے کہ وہ کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ان کے پیر اور رہنما بغیر محنت کے عیش کی زندگی گزارتے ہیں۔ جیسا کہ ابو العباس قصاب نے کہا: "**بغیر جائیداد اور دولت کے وہ ولایت رکھتے ہیں، بغیر کسی ہنر یا کام کے روزی کھاتے ہیں اور لوگوں کو کھلاتے ہیں۔**" آج ایران، ہندوستان اور دیگر جگہوں پر کئی ایسی تنظیمیں ہیں جو بغیر تاج و تخت کے بادشاہی کرتی

ہیں، لوگوں سے بغیر کسی جوابدہی کے ''ٹیکس'' لیتی ہیں۔ ان کے پیر کے علاوہ ان کے حواری بھی مفت کی روٹی کھاتے ہیں اور عیش کی زندگی گزارتے ہیں۔

صوفیگری کے پیروکاروں کے لیے یہ ایک پناہ گاہ ہے۔ اسے سمجھانے کے لیے ہمیں کچھ اور بات کرنی ہوگی:

روانشناسی اور تاریخی تجربات سے یہ بات واضح ہے کہ جن لوگوں کی روح کمزور ہوتی ہے اور وہ اپنی بدکاریوں کو روک نہیں سکتے، ان کی روح انہیں سکون نہیں دیتی۔ ان کا ضمیر (یا جیسا کہ وہ کہتے ہیں، فرجاد) ہمیشہ انہیں ملامت کرتا ہے۔ اسی لیے ایسے لوگ ہمیشہ کوئی ایسی راہ ڈھونڈتے ہیں جس سے وہ اپنی بے چینی سے نجات پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ **تیمور**، جو بے رحم خونخوار تھا، صوفی ہونے پر فخر کرتا تھا۔ صمد خان مراغی، جو اپنی گھٹیا حرکتوں کے باوجود شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اسی طرح تھا۔ **تیمور**، جس نے لاکھوں بے گناہوں کا خون بہایا، یقیناً کبھی اپنے ضمیر کی آواز سنتا ہوگا۔ اسے بڑی خوشی ملتی ہوگی جب صوفی پیر اس کے خونریزیوں پر کوئی سوال نہ اٹھاتے، بلکہ اس کے پیسوں کی وجہ سے اسے نیک اور پاک سمجھتے تھے۔ کچھ شکم پرست اس کے دسترخوان پر بیٹھ کر اسے دین کا پرچارک کہتے تھے۔ یہ اس کے لیے پانی سے آگ بجھانے کے مترادف تھا۔

اسی طرح **صمد خان**، جو آزادی پسندوں کو قتل کرتا، ان کی آنکھیں نکالتا، زبانیں کاٹتا، اور غیر ملکیوں کی غلامی کرتا تھا، یقیناً کبھی اس کے ضمیر نے اسے ملامت کی ہوگی۔ اس کے لیے شیعہ عقیدہ یہ کہتا تھا کہ ''**اگر تم امام حسین کے لیے روؤ یا ان کے مزار پر جاؤ تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔**''

یہی پناہ گاہ کا مطلب ہے۔ صوفیگری یا اس جیسی گمراہیوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ وزارتوں کے سربراہان، جو فلان شمس العرفا یا عاشق علی شاہ کے مرید ہوتے ہیں، یہ سب بے مقصد نہیں ہوتا۔ یہ لوگ، جو ملکی معاملات کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں اور کئی گھناؤنی حرکتیں کرتے ہیں، صوفیگری یا اس جیسی چیزوں کی شدید ضرورت رکھتے ہیں۔ **اسی لیے جب ہم کسی گمراہی پر تنقید کرتے ہیں تو اس کے حامی پہلے شور مچاتے ہیں، ہنگامہ کرتے ہیں، اور جب دیکھتے ہیں کہ کچھ نہیں بن پڑتا تو تنقید کے نکات کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا ان حصوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔**

صوفیگری کے بارے میں مشروطیت کی تحریک اس کی اچھی مثال ہے۔ جب ایران میں مشروطیت کی تحریک اٹھی اور ایرانی اپنی بدبختیوں کے اسباب ڈھونڈنے لگے، تو صوفیگری کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا گیا کہ یہ لوگوں کو کام اور زندگی سے روکتی ہے اور دنیا کو ان کی نگاہوں میں حقیر کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں صوفیوں کے پیر نے اپنی بات بدل دی اور کہنے لگے "**: دنیا کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔**" انہوں نے امام علی کے نام سے منسوب کچھ عربی جملوں کو دلیل بنایا، جیسے "**: اپنی دنیا کے لیے اس طرح کوشش کرو جیسے تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور اپنی آخرت کے لیے اس طرح کوشش کرو جیسے تو کل مرجائے گا۔**"

حالانکہ صوفیگری کی بنیاد ہی دنیا سے کنارہ کشی اور اس کی دشمنی پر تھی۔ صوفی خود کو اس دنیا میں سوگوار سمجھتے تھے، نیلے کپڑے پہنتے اور سر منڈواتے تھے، جو اس زمانے میں شدید غم کی علامت تھی۔ ان کی کتابیں دنیا کی مذمت سے بھری پڑی ہیں۔ وہ دوسرے دن کے لیے کچھ نہ رکھتے، جو کچھ گداگری سے ملتا اسے اسی دن خرچ کر دیتے یا دوسروں کو کھلا دیتے۔ یہ ان کی دنیا اور زندگی سے دشمنی کی انتہا تھی۔

دوسری بات یہ کہ صوفیگری کی بنیاد پلوتینوس کے رومی خیالات پر تھی، اس کا امام علی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ سب صوفیوں کی چالاکیاں تھیں تاکہ لوگوں کی زبانیں بند کی جائیں۔ صوفیوں کا کوئی دین نہ تھا، لیکن وہ جہاں بھی ہوتے، وہاں کے لوگوں کے مذہب کے ساتھ چل پڑتے۔ ایران میں شیعہ بن جاتے اور خود کو امام علی سے جوڑتے، اور عثمانی سلطنت میں سنی بن کر اپنی سلسلہ کو ابوبکر سے ملاتے۔

یہ سب وہ ہتھکنڈے ہیں جو انہوں نے گزشتہ بیس تیس سالوں میں اپنائے۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری ان تنقیدوں کے جواب میں وہ پہلے ہنگامہ کریں گے، حکومت سے ہماری زبان بندی کی کوشش کریں گے، پھر پردہ ڈالیں گے، جو کچھ ہو سکے اسے انکار کریں گے یا کہیں گے کہ "یہ ہماری سلسلہ میں نہیں تھا۔" آخر میں وہ ان حصوں کو بدل دیں گے جن پر تنقید ہوئی۔ لیکن یہ سنگر بدلنا نہیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی گمراہیوں سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہتے۔ یہ گمراہیاں ان کا دھندہ ہیں، اسی لیے وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس کا رنگ بدلنا چاہتے ہیں۔

میں نہیں بھولا کہ مشروطیت کی تحریک کے آغاز میں تبریز میں ایک واعظ ایک مشروطیت کے رہنما کے پاس آیا اور کہنے لگا:
"کل میں ایک مجلس میں گیا، انہوں نے مجھے منبر پر چڑھنے نہ دیا۔ کہا کہ اب وہ پرانی وعظیں کام نہیں دیتیں، اب مشروطیت کی بات کرنی ہوگی۔ لیکن وعظ میرا پیشہ ہے، اگر میں یہ نہ کروں تو بھوکا مر جاؤں گا۔ اس لیے میں یہ سیکھنے آیا ہوں کہ مشروطیت کے بارے میں کیسے بات کروں تاکہ منبر پر چڑھ سکوں۔" اس نے یہ بات بڑی سادگی سے کہی۔

صوفی بھی یہی کہیں گے": صوفیگری ہمارا پیشہ ہے، ہماری روزی کا ذریعہ ہے، ہماری پناہ گاہ ہے۔ ہم اسے کیوں چھوڑیں؟ جو حصہ غلط ہے، بتائیں، ہم اسے بدل دیں گے۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان گمراہیوں کو جڑ سے اکھاڑنا ہوگا۔ یہ گمراہ راہیں ختم ہونی چاہئیں اور سب لوگوں کو ایک راہ پر آنا چاہیے۔ صوفیگری جڑ سے غلط ہے اور سراپا نقصان ہے۔ اسے مکمل طور پر ختم ہونا چاہیے۔ ہم ان گروہ بندیوں اور گمراہیوں کے خلاف ہیں اور ان کی جڑ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ خدا کی مرضی ہے کہ یہ سب ختم ہوں۔

ایران، ہندوستان اور دیگر شہروں میں موجود یہ تنظیمیں ختم ہونی چاہئیں۔ ان کے مفت خور پیر اور ان کے حواریوں کو کوئی کام کرنا چاہیے۔ صوفیوں کی کتابوں کو آگ لگا دینی چاہیے۔ صوفیانہ پست خیالات اور بدآموزیوں کو، جو دیگر کتابوں یا دلوں میں سمایا ہوا ہے، مکمل طور پر ختم کر دینا چاہیے۔

ایرانی اخبارات اور رسائل میں صوفیگری کی تعریف میں لکھے جانے والے مضامین اور یورپی مشرق شناسوں کی صوفیوں کی حمایت کو فریب اور بدخواہی سمجھنا چاہیے۔ یورپی، جو مشرقی ممالک پر نظریں جمائے ہوئے ہیں، نہیں چاہتے کہ مشرقی لوگ اس آلودگی سے پاک ہوں جو ان کی پستی کا باعث ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مشرقی لوگ سر اٹھائیں اور مغربیوں کے برابر کھڑے ہوں۔ ان کے مفاد میں ہے کہ صوفیگری، خراباتیگری اور دیگر پراکندہ کیش مشرقیوں میں برقرار رہیں، بلکہ بڑھیں۔ اسی لیے انہوں نے مشرق شناسی کا ادارہ بنایا۔

ان کا ایک فریب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں": یورپی مادیت کا علاج صوفیگری کے سوا کچھ نہیں۔" فروغی (جب وہ وزیر اعظم تھا) مجھ سے صوفیوں اور شاعروں کے بارے میں ہمارے مضامین پر گلہ کرتے ہوئے یہی کہتا تھا۔

میں نے جواب دیا کہ یہ بات بہت غلط ہے۔ کیا یورپی صوفی بن جائیں گے؟ کیا ان سے ایسی امید رکھی جا سکتی ہے؟ مادیت کا علاج صوفیگری سے کرنا اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص زیادہ خون کی وجہ سے بیمار یا پاگل ہو جائے اور آپ اس کا اتنا خون نکال دیں کہ وہ کمزور ہو کر گر جائے اور کبھی نہ اٹھے۔ یا یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص چھت کے ایک کنارے سے گرنے والا ہو اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کنارے سے گرا دیں۔

میں نے کہا: اگر مادیت دنیا کے لیے مصیبت ہے تو صوفیگری اس سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ آج مادیت کی وجہ سے لوگ بے تحاشہ محنت کرتے ہیں اور لالچی دولت جمع کرتے ہیں۔ اگر کل، جیسا کہ آپ کہتے ہیں، وہ صوفی بن گئے تو سب بے کار اور بے حس ہو کر جیئں گے، ہر چیز سے فرار کریں گے اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔

ایک اور دن اس نے کہا" :تم صوفیگری کی توہین کرتے ہو، لیکن مفکرین کا خیال ہے کہ مادیت کا علاج، اگر کوئی ہے تو، صوفیگری سے ہو گا۔"

میں نے کہا: تمہاری یہ بات مجھے امی شاعر کی وہ نظم یاد دلاتی ہے جس نے مذاق میں طب کے بارے میں اشعار کہے اور کئی بیماریوں کے علاج بتائے۔ بچھو کے کاٹے کے بارے میں اس نے کہا:

"اگر بچھو کے زہر سے بچنا چاہتے ہو
پانچ مثقال زہر موش پی لو
یہ بچھو کا زہر بھلا دے گا
یہ آزمودہ نسخہ سن لو
تم ہنسو گے اور بے ہوش ہو جاؤ گے
یہ تمہیں تمہارے آباؤ اجداد تک پہنچا دے گا"

چونکہ وہ ایک جاہل آدمی تھا، اس لیے میں نے اسے اس مذاق آمیز جواب سے ٹرخا دیا۔ یہ سب فریب اور بد خواہی ہے۔ نہ یورپ کے مسائل کا علاج صوفیگری ہے اور نہ ہی صوفیگری یورپ میں چل سکتی ہے۔

سب سے بڑھ کر ہمیں اپنے مسائل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اگر یورپ کی مادیت کا علاج صوفیگری ہے تو ایرانیوں اور دیگر مشرقیوں کی اس بدحالی اور مصیبت کا علاج کیا ہے؟ ہمیں اس پر سب سے زیادہ بات کرنی چاہیے۔ ہم واضح دلائل سے دکھاتے ہیں کہ اس بدحالی اور بے چارگی کا ایک سبب صوفیگری اور اس کی بدآموزیاں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ جو لوگ صوفیگری یا اس جیسی چیزوں کی حمایت کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ ہمارے ان دلائل کا جواب دیں۔

ہمیں یہ کرنا چاہیے، ورنہ یہ کہنا کہ یورپ کے مسائل کا علاج صوفیگری ہے، یا کسی مشرق شناس کی تعریفات ہم پر مسلط کرنا، یا سنائی، مولوی، عطار، اوحدی جیسے ناموں کو بلند آواز سے پکارنا، یا "عرفائے الٰہی" اور "اولیاء اللہ" جیسے خالی الفاظ کو دہرانا کوئی گرہ نہیں کھول سکتا۔

اس کتابچہ کے متعلق

ہمارا ایک بڑا اور عظیم مقصد یہ ہے کہ ایران میں سب لوگ ایک شاہراہ پر آجائیں۔ اس کے لیے دو کام کرنے ہیں: ایک یہ کہ ایک روشن شاہراہ دکھائی جائے جسے ہر پاک دل عقل مند قبول کر سکے۔ دوسرا یہ کہ ایران کی بیس سے زائد گمراہیوں اور گروہ بندیوں سے ایک ایک کر کے مقابلہ کیا جائے اور ان کی بے بنیادی کو واضح کیا جائے۔

اسی لیے ہم نے شروع سے ایک طرف حقائق کو روشن کیا اور دوسری طرف ہر گمراہی پر الگ الگ لکھا۔ حال ہی میں ہم نے ایک اور قدم اٹھایا اور تمام حقائق کو **"ورجاوند بنیاد"** نامی کتاب میں جمع کیا، اور ہر گمراہی کے لیے الگ کتابچہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ صوفیگری ان گمراہیوں میں سے ایک ہے، اس لیے یہ کتابچہ، جو **"پیمان"** اور **"پرچم"** کے مضامین سے تیار کیا گیا، شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ جاننا چاہیے کہ ایران میں ہر کیش (عقیدہ) یا راہ کے پیروکاروں کو اپنے کیش یا راہ کی صحیح آگاہی نہیں ہوتی۔ صوفیگری کے پیروکاروں کی اکثریت بھی نادان ہے۔ اسی لیے وہ ہمارے مضامین پڑھ کر کہیں گے کہ "یہ باتیں صوفیگری میں نہیں ہیں۔" لیکن یہ نادانی ہماری طرف سے نہیں، ان کی طرف سے ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا، وہ سب دلائل کے ساتھ ہے اور ہم نے کوئی بات بغیر سوچے سمجھے نہیں کی۔

ہم نے کسی سے دشمنی نہیں کی اور نہ کرتے ہیں

گزشتہ چند سالوں کے تجربے سے معلوم ہوا کہ ہمارے بدخواہ اور دشمن ہمارے مقابلے میں چند جملوں سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثال کے طور پر، ہم نے جو روشن شاہراہ حقائق کی طرف کھولی اور لوگوں کو عقل سے جینے کی دعوت دی، اور گمراہیوں اور بے دینی کے خلاف پرچم بلند کیا اور خدا کا نام دنیا میں بلند کیا، اسے دیکھ کر بدخواہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں ”: یہ پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔“

جب ہم سعدی اور حافظ پر دلائل کے ساتھ تنقید کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ”: اس نے سعدی اور حافظ کو گالیاں دیں۔“

جب ہم پراگندہ کیشوں کی بے بنیادی کو لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملاؤں یا دوسروں کو چاہیے کہ جواب دیں، تو وہ کہتے ہیں ”: اس نے مذہب کی توہین کی۔“

جب کبھی ہم کہتے ہیں کہ آپ بھی جواب دیں، تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ہمارا کہنا درست ہے اور ہمارے پاس جواب نہیں، بلکہ حیرت سے کہتے ہیں ”: یہ اس طرح لکھتا ہے کہ جواب ہی نہیں دیا جا سکتا۔“

اگر کبھی کوئی جواب دینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھی چند بے ہودہ جملوں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، جو کتے کے بھونکنے کے سوا کچھ نہیں، اور وہ بھی بغیر نام کے گمنام طور پر بھیجا جاتا ہے۔

یہ بدبخت لوگ اپنے دماغوں کو ایسی پست اور پراگندہ بدآموزیوں سے بھر چکے ہیں کہ نہ صرف ان کی عقل اور فہم نے کام کرنا چھوڑ دیا، بلکہ خدا کی دی ہوئی بولنے کی طاقت بھی ان سے چھن گئی۔ یہ بدبخت ہر لحاظ سے بے زبان جانوروں کی سطح پر گر چکے ہیں۔

بہرحال، اس کتابچے کے بارے میں بھی وہ یہی کہیں گے ”: اس نے عرفا کو گالیاں دیں، بزرگوں کی توہین کی۔“ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے کسی کو دشنام نہیں دیا اور ہم دشنام سے بہت دور ہیں۔ ہم نے کسی کی عزت کم کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ

ہی ہمارا کسی سے دشمنی ہے۔ ہم نے صوفیگری کو ویسے ہی بیان کیا جیسا کہ وہ ہے اور صوفیوں پر دلائل کے ساتھ تنقید کی۔ اگر ہم نے ''نادان''، ''نافہم'' اور ''گمراہ'' جیسے الفاظ استعمال کیے تو ان کا صحیح معنی مراد لیا، نہ کہ دشنام دینے کی نیت تھی۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆